1986
1406
جنوری ۸۶ء

دینی، اصلاحی، علمی تصوّف وسلوک کا واحد مجلّہ

ماہنامہ

المرشد

چکوال۔

بیاد:

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب رح

سرپرست:

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدّظلہ

مدیر مسئول:

حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی۔ اسلامیات)

ماہنامہ المرشد چکوال جنوری ۱۹۸۶ء

اداریہ

مذہبی جوش وخروش

بارہ ربیع الاوّل کا مقدس دن گذرا تو اخبارات میں کچھ اس قسم کی خبر شائع ہوئی کہ ملک بھر میں پورے مذہبی جوش وخروش کے ساتھ جشن میلاد منایا گیا۔ جہاں تک "جوش وخروش" کا تعلق ہے یہ خبر صحیح ہی نہیں بلکہ اصح ہے۔ مگر اسے "مذہبی جوش وخروش" کہنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ مذہبی جوش وخروش کا مطلب اور تقاضا یہ ہے کہ مذہب کی تعلیمات پہ پورے جذبہ کے ساتھ عمل کیا جائے۔ اور جب مذہب سے مراد دین اسلام لیا جائے اور اسے دینی اور اسلامی جوش وخروش سمجھا جائے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ اس روز اللہ تعالے کے احکام اور حضور نبی کریم ؐ کی سُنّت اور حضور اکرم ؐ کے براہِ راست شاگرد صحابہ کرامؓ کے طریقوں پہ نہایت عقیدت سے گرمیٔ محبت سے پورے احترام، لگن اور روحانی جذبہ کے ساتھ عمل کیا جائے۔ مگر جس انداز سے یہ جشن منایا گیا اس میں ان اُمور کے نشان شاید ہی کہیں ملیں۔ پھر لفظ "جشن" کا مذہب اور دین سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جشن کا مفہوم اور عملاً مشاہدہ یہی ہے کہ خوشی منائی جائے اور ہر شخص اپنی پسند کے مطابق اس خوشی کا اظہار جس انداز سے چاہے کرے مثلاً جو ہے اس کا تقاضا کسی کو گانا پسند ہے تو خوب گائے، طبلے کی تھاپ پر گائے۔ مالکونس گائے کدارا گائے جو چاہے گائے۔ کسی کو رقص پسند ہے تو جیسے چاہے ناچے لُڈی اور بھنگڑا ہو خواہ ٹوسٹ ڈانس ہو۔ کسی کو ڈھول اور ڈرم کی آواز بھاتی ہو تو ڈھول بجائے۔ غرض اپنی خوشی کے اظہار کے لئے جو طریقہ اسے پسند ہو اختیار کرے اسے جشن منانا کہتے ہیں مگر دین اسلام تو ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کے لئے واضح ہدایات دیتا ہے۔ خوشی کی حالت کو لیجیے اسلام نے سال میں خوشی کے دو دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ مقرر کئے ہیں۔ مگر ان دونوں

میں خوشی منانے کے لئے آزاد نہیں چھوڑا بلکہ اس کا سلیقہ سکھایا۔ کہ تمہیں خوشی ہے تو خوشی کا اظہار یوں کرو کہ پہلے تم اپنے رب کی ملاقات کے لئے روزانہ پانچ وقت اپنے اللہ کے گھر میں (جو محلے کی مسجد ہے) جاتے تھے آج تم اپنے رب کے سامنے حاضری کے اوقات میں ایک وقت کا اضافہ کر لو۔ یعنی آج اپنی خوشی کے اظہار کے لئے چھ مرتبہ اپنے رب کی ملاقات کے لئے جاؤ مگر آج کے جانے کا انداز مختلف ہو یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے ہوئے گھر سے نکلو عیدگاہ میں پہنچو، دو رکعت صلوٰت عید پڑھو اپنے رب کے سامنے سجدۂ شکر بجا لاؤ۔ اپنی خطاؤں کی معافی مانگو۔ اور اسی طرح اللہ اکبر کہتے ہوئے گھر کو لوٹو۔ مگر کیا تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ترقی کے منافی معلوم ہوتا ہے؟ نہیں سُنو مسلمان کی ترقی کی معراج ہی یہی ہے کہ اپنے ربّ سے اس کا تعلق پختہ ہوتا چلا جائے۔

اکبرؔ نے کیا خوب ترجمانی کی ہے اس حقیقت کی ؎

ترقی خواہ ہے تو صحن مسجد چھوڑ اے اکبرؔ
کہا میں نے ترقی ہے۔ تو خود پہنچے گی مسجد تک

تو اسلام نے خوشی منانے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھایا ہے۔ اور خوشی کے دن کا نام عید رکھا ہے۔ مگر شیطان کی یہودی سازش تے ہمیں اس جذبے سے دور کرنے کا کیا سائنٹفک طریقہ ایجاد کیا کہ اس کا نام جشن رکھ دیا۔ اب جیسے چاہو ناچو کودو، گاؤ، سوانگ بھرو ڈرامہ کرو ناٹک بناؤ سب جشن کے تقاضے پورے کرنے کی صورتیں ہیں۔

مذہبی جوش وخروش تو جب ہوتا جب مسجدیں، یا دوسرے دینی مراکز میں اجتماع ہوتے اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مقالے پڑھے جاتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس کے قلیل عرصے میں کتنا عظیم انقلاب برپا کیا۔ ممالک کے نقشے نہیں بدلے دلوں کی دنیا بدل کے رکھ دی پھر اس بات پر غور وفکر ہوتا کہ کیا حضور اکرمؐ کی یہ انقلابی تعلیمات صرف حضور اکرمؐ کے اپنے دور کے لئے تھیں؛ نہیں بلکہ حضور اکرمؐ سے تو اعلان کرایا گیا کہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ "یعنی اے میرے حبیبؐ اعلان کردے کہ میں تمام بنی نوع انسان کے لئے رسولؐ

بنا کر بھیجا گیا ہوں" پھر اس پر غور ہوتا کہ کیا ہم بنی نوع انسان میں شامل نہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ ہم واقعی انسان ہیں! تو پھر یہ سوچا جاتا کہ کیا ہمارے پاس حضور اکرمؐ کی وہ تعلیمات موجود نہیں جو اس عظیم انقلاب کا موجب بنیں؟ اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ وہی قرآن مسلمانوں کے پاس موجود ہے جو حضور اکرمؐ اپنی اُمت کو دے گئے۔ حضور اکرمؐ کے ارشادات حدیث کی صورت میں موجود ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی عملی تعبیر صحابہ کرامؓ کی سیرت . . . . تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ پھر ہم سوچتے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم دنیا میں ایسا پاکیزہ اور انسانیت پرور انقلاب کیوں نہیں لا سکتے بلکہ ہماری تو غفلت کور ذوقی احسان ناشناسی کی انتہا ہے کہ ہم اپنی ذات میں اپنے گھروں میں اپنی اولاد میں بھی ایسا انقلاب نہیں لا سکتے۔ پھر اس تمام غور و فکر کے بعد احساسِ ندامت کے ساتھ اپنے رب سے گذشتہ غفلتوں کی معافی مانگتے اور پورے جذبہ کے ساتھ اتباعِ سُنت کا عہد کرتے تو اسے مذہبی جوش و خروش کہنا مناسب بھی تھا۔ اب تو جو جوش و خروش دکھایا گیا ہے وہ یا تو جذبات کا جوش و خروش ہے یا رسم و رواج کی پابندی کا یا غیر مسلموں کی نقالی کا جوش و خروش دکھایا گیا ہے۔ اس جشن کے دوران جو کچھ ہوا وہ کچھ تو ہندوؤں کے دسہرہ اور دیوالی کی نقالی ہے کچھ سکھوں کے گورونانک کے جنم دن منانے کی شان ہے۔ کچھ کرسمس کا چربہ ہے۔ اور کچھ روافض کے گھوڑے علم پنجہ اور تعزیہ کی نقالی کی گئی ہے۔

اس جشن کے منانے میں ہم کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں پیش کر سکتے جسے اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل کہا جا سکے یا جس کا نمونہ نبی کریمؐ کی سیرت یا آپؐ کی تعلیمات یا آپؐ کی پسند کی عکاسی کرتا ہو یا جس کی نظیر صحابہ کرامؓ سے ملتی ہو۔

اگر ہم عیدِ میلاد مذہبی جوش و خروش کے ساتھ مناتے تو آزادی کے اٹھتیس برسوں میں ہر مسلمان ہر سال یہ عہد کرتا اور اس پر عمل کرتا کہ ایک ایسی حرکت چھوڑتا ہوں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ تو آج حالت یہ ہوتی کہ ہر مسلمان کی عملی زندگی میں سے اٹھتیس برائیاں نکل چکی ہوتیں۔ اور اٹھتیس سُنتوں کے اتباع کا شرف اسے حاصل ہوتا۔ تو کیا آج معاشرتی برائیوں کے انسداد کے لئے کمیٹیاں بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ عجیب جشن ہے

کہ زبان پر محبت رسول ؐ کے دعوے ہیں اور عمل میں رسول ؐ کی مخالفت کرنا مقصدِ حیات بن چکا ہے
یوں لگتا ہے جیسے یہ جشن زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے ؎

اس کی باتوں سے اسے تو نے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

مانا کہ یہ دور ہی ایکٹنگ کا ہے سینما اور ٹی وی کی برکات عام ہو چکی ہیں مگر مسلمان کو اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ اللہ و رسول کے ساتھ بھی ڈرامہ رچاتا اور ایکٹنگ کرتا رہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

(مدیر)

اسرار التنزیل

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۔۔۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (الرعد)

"اللہ جل شانہ نے خالق اور مخلوق کے تعلقات کا ایک اصول ارشاد فرمایا ہے خالق اپنی ذات میں اپنے اوصاف میں یہ شان رکھتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور مخلوق کا اس کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ وہ ہر آن اس کی اطاعت کرتی رہے۔ انسان اشرف المخلوقات بھی ہے اور فہم و شعور بھی رکھتا ہے۔ باقی مخلوق جمادات نباتات کو آپ دیکھیں ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں۔ تو اگرچہ وہ مثالی اطاعت کرتے ہیں ایک ایک ذرہ لا تحرک ذرۃ الا باذن اللہ۔ اللہ جل شانہ کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا اور تخلیقی طور پہ کرنا پڑتی ہے اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے۔"

یہ اطاعت کرنا ان سب کی مجبوری ہے

انسان ایک خاص اثر رکھتا ہے اپنے اندر۔ اور وہ یہ کہ اس میں فہم و شعور ہے آپ دور کی بات کو چھوڑ دیں بالکل ایک چھوٹی سی بات لے لیں جس قدر ذوی الارواح بستی میں زمین پر جتنے ہیں اور آپ روزمرہ دیکھتے ہیں ان سب میں اتنا بھی شعور نہیں ہے قدرتی بنی بنائی غذا سبزہ ہے یا پھل ہے یا جو چیز بھی ان کے لئے اللہ نے مقرر کر دی ہے (جس طرح قدرتی صورت میں انہیں مل جاتی ہے) کھاتے ہیں یہ صرف ایک انسان ہے کہ یہ ایک وقت کے کھانے کے لئے پچیس تیس چیزوں کے اجزاء یکجا کر کے ایک نئی شے بناتا ہے۔ جب محض ایک سطحی اور چھوٹے سے کام کا شعور کسی دوسرے وجود میں نہیں ہے تو عظمت باری تعالیٰ کو سمجھنا پانا یا وہاں تک دم مارنا یہ تو بہت دور کی بات ہے تو باقی مخلوق چونکہ یہ شعور نہیں رکھتی اس

لئے خداوند عالم نے اپنی اطاعت میں پابند کر دیا ہے اُس کے علاوہ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ وہ چلتے ہی اُسی راستے پر ہیں جدھر انہیں اللہ جل شانہٗ چلائے تو گو اُن کی اطاعت مثالی ہے لیکن اُس میں اُن کے اختیار کو دخل نہیں ہے وہ اُنہیں کرنا ہی پڑتی ہے۔

اب انسان کی حیثیت کو دیکھیں کیا یہ اللہ کے حکم، اُس کی اجازت یا اُس کی قدرت کے بغیر کچھ کر سکتا ہے اُس سے ہٹ کر کچھ کر لیتا ہے یہ بھی ممکن نہیں۔ انسان بھی جو کچھ کرتا ہے ہوتا وہی ہے جو اُس پر نتیجہ ذات باری مرتب کرتی ہے تو پھر انسان کا اختیار کیا ہے انسان کا اختیار صرف ایک فیصلہ ہے ایک سوچ ہے جس میں کوئی عمل نہیں اور وہ سوچ اور فیصلہ یہ ہے کہ یا تو یہ عظمت باری سے آشنا ہو کر اپنے سرِ تسلیم کو اُس کی چوکھٹ پہ جھکا دے اور یہ کہہ دے کہ میں وہی کچھ کروں گا جو میرے رب کو منظور ہے اس بات پر وہ راضی ہو جائے اور یا پھر یہ ایک فیصلہ کرتا ہے کہ میں نہیں جانتا خدا کون ہے کیا ہے میں اپنی ایک حیثیت رکھتا ہوں اور میں اپنی پسند کے مطابق کام کروں گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہے صرف ہونا وہی کچھ ہے جو اُس کو منظور ہے۔ عین ممکن ہے جسے یہ قتل کر دینا چاہتا ہے خدا اُس کی عمر دراز کر دے اُسے قتل نہیں کر سکتا اور عین ممکن ہے جسے یہ زندہ دیکھنا چاہتا ہے خدا اُس کی عمر پوری کر دے تو یہ اُس کی زندگی بچا نہیں سکتا لیکن اس دنیا میں اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اگر اس نے فیصلہ کیا ہو کہ میں وہ کروں گا جس میں میرا اللہ راضی ہے تو اس کی یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی۔

رحمت باری خصوصی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اندرونی سکون ایک خاص طور اُسے حاصل ہوتا ہے اور ذہنی طور پر کسی بات سے اس کا کلیش نہیں ہوتا ٹکراؤ نہیں ہوتا یعنی جو کچھ ہوتا ہے یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس پہ اطمینان کرنا چاہیئے۔ اور اُس کی زندگی پُر سکون اور مزے دار سی ہو جاتی ہے اور موت اور مابعد الموت انعامات کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اگر یہ فیصلہ اس کے خلاف کرتا ہے۔

اور اپنی حیثیت منوانا چاہتا ہے اپنی من مانی کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو وہ چونکہ یہ کر نہیں سکتا، کیا ہوا کبھی اتفاقاً کوئی بات اس کی منشا کے مطابق ہو گئی اُس کی منشا کے مطابق نہیں ہوتی، ہوتی علم الٰہی کے مطابق ہے اتفاقاً اُس کی منشا اُس کے ساتھ مطابقت کر گئی اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہ چاہتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے۔ یہ کرتا کسی اور غرض سے ہے نتیجہ کچھ اور ہوتا ہے تو ایک ٹکراؤ ہے مسلسل، جو اس کی

خواہشات اور چیزوں کے وقوع میں ہوتا رہتا ہے اور وہ ٹکراؤ جو ہے وہ اس کی زندگی کو جہنم بنا کے رکھ دیتا ہے قدم قدم پہ ٹھوکر بات بات پہ اُلجھن ہر وقت کام میں خلاف مزاج باتیں۔ پھر اس روز روز کی الجھنوں سے تنگ آکر خودکشی بھی کرتا ہے دوسروں کو بھی قتل کرتا ہے تباہیاں مچاتا ہے تڑپتا ہے چلاتا ہے زندگی اس بدامنی کی نذر ہو جاتی ہے موت اُس سے بدتر ہوتی ہے اور البتہ حالت اس سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

ہوتا پھر وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اس کا اپنا فیصلہ جو ہے وہ اللہ کو متاثر نہیں کرتا خود انسان کی ذات کو متاثر کرتا ہے اس کے قلب کو اس کے پیش آنے والے حالات کو متاثر کرتا ہے تو اسی بات پر اس آیت کریمہ میں رب العزت نے ایک قانون ارشاد فرمایا ہے اور یاد رکھیں۔

آپ دیکھتے ہیں ملکی قوانین میں بھی بعض چیزیں ہوتی ہیں اُن میں صدر مملکت جو ہوتا ہے وہ مستثنےٰ ہوتا ہے جیسے میں اور آپ جا رہے ہوں تو راستے کی چوک کی بتی سُرخ ہو کر ہمیں روک سکتی ہے لیکن صدر مملکت نے آنا ہو تو ساری ٹریفک رُک سکتی ہے اس کی لائن گرین ہو جاتی ہے۔

استثنا ہے نا اُس کے لئے۔ کہ جہاں سے سربراہ حکومت نے گزرنا ہو تو وہاں دوسری سائیڈ کی بتیاں بجھ جاتی ہیں اور وہ ساری چیزیں اس کے لئے کی جاتی ہیں۔

اس طرح بے شمار دوسری ہوتی ہیں مستثنیات

. . . . .

. . . . کیونکہ وہ سربراہ ہوتا ہے حکومت کا لیکن بعض قانون ایسے ہوتے ہیں جن میں سربراہ کو بھی استثنا نہیں ہوتا۔ اور جس قانون میں ملک کے سربراہ کو بھی استثنا نہ ہو اُس قانون میں اس ملک کے کسی شہری کے لئے کوئی استثنا نہیں

. . . .

. . . .

ایسا قانون ہو ملک میں جس میں سربراہ کے لئے بھی استثنا نہ ہو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس ملک کے کسی شہری کے لئے اس میں کوئی استثنا نہیں۔

تو خداوند عالم نے بھی اکثر مقامات پر قرآن کریم میں جہاں ایسے اٹل قوانین ارشاد فرمائے ہیں وہاں براہِ راست آقائے نامدار صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا ہے مراد اس سے یہ کہ جس قانون سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو استثنا نہیں ہے خدا کی خدائی میں کسی دوسرے متنفس کو اس سے استثنا حاصل نہیں ہو سکتا۔

جیسے ذکر الٰہی ذکر اسم ذات کے بارے میں ارشاد ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا اللہ رب العزت نے واذکر اسم ربک یعنی تمام عبادات دعوت تبلیغ رسالت اور قرب الٰہی کی منازل کے باوجود حامل وحی ہونے کے باوجود امام الانبیاء ہونے کے باوجود واذکر اسم ربک اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہے اللہ اللہ کی تکرار ضرور کیا کر۔ تو یہ آیت کریمہ اس بات پہ شاہد ہے کہ اللہ کی کائنات میں کوئی مکلف انسان اللہ کے نام کے ذکر کے بغیر اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ اپنا نقصان کر رہا ہے مرد عورت بچہ بوڑھا جو بھی مکلف انسان ہے جس طرح وہ باقی عقائد واعمال کا مکلف ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کی تکرار کا مکلف ہے۔ ایسے ہی ایک یہاں اصول ارشاد فرمایا۔

وکذالک انزلنا حکماً عربیا۔ کتاب اللہ کے بارے ارشاد ہوا کہ ہم نے اسے عربی زبان میں عربی لب ولہجہ میں حکم کی حیثیت سے نازل فرمایا۔ یعنی یہ محض ایک کتاب نہیں ہے محض ایک بات نہیں ایک قانون ہے خالق کائنات کا ایک حکم ہے اور حکم ہمیشہ تعمیل کو چاہتا ہے یاد رکھیں قرآن یہ الف ب ج د قرآن نہیں ہے اگر یہ حروف تہجی قرآن ہوتے تو انہی سے قرآن کریم کی آیات کے علاوہ جو عربی عبارات لکھی جاتی ہیں اسی حروف تہجی سے بنتی ہیں وہ قرآن نہیں بنتی۔ قرآن حقیقتاً مفہوم ہے جو ان لفظوں اور گھیروں میں بند ہے جس کا یہ اظہار کرتے ہیں۔ اب اللہ کریم نے عربی کو عظمت دینی تھی چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی اللہ کریم نے ساری کائنات کے لئے اپنا حکم اسی زبان میں نازل فرمایا اور یہ شرف بخشا عربی زبان کو کہ کوئی چینی ہو یا جاپانی ہو ہسپانوی ہو یا برطانوی ہو جب بھی میری بارگاہ میں کھڑا ہو تو عربی زبان میں ہی بات کرے عبادات کو خصوصاً نماز کو اذان کو کلمہ اسلام کو یا قرآن کریم کو آپ ترجمہ کر کے بھی کسی زبان میں پڑھیں آپ ترجمہ پڑھ رہے ہونگے آپ قرآن نہیں پڑھ رہے ہونگے۔ قرآن پڑھنے کا ثواب تب ہی نصیب ہوگا جب آپ اس کا متن پڑھ رہے ہونگے۔ تو یہ متن جو ہے یا اس میں جو منشا باری موجود ہے

ارشاد ہوا یہ حکم ہے اور قانون یہ ہے کہ اس حکم کو پا لینے کے بعد کوئی بھی شخص ولاتتبعت اھوا ئھم دنیا میں جو مختلف طریقہ ہائے زندگی مروج ہیں جنہیں آپ تہذیبیں کہتے ہیں۔ سکولز آف تھاٹس جنہیں آپ کہتے ہیں جتنے بھی ہیں اگر قرآن کے نزول کے بعد قرآن کا علم حاصل ہونے کے بعد قرآن کو پا لینے کے

بعد کوئی بھی شخص قرآن کی اطاعت کو چھوڑ کر اس سے فلسفے کو چھوڑ کسی دوسری فلاسفی کو اپناتا ہے یا کسی دوسرے طرزِ حیات کو اپناتا ہے فرمایا۔

مالك من اللہ من ولی .... پھر ایسا کرنے والے یاد رکھ اللہ کے حضور کوئی تیرا دوست نہیں ہوگا کوئی تیرا بھی خواہ یا تیرا حمایتی آپ جیسے کہہ سکتے ہیں نہیں ہوگا۔

دیکھیں ہمارے قانون کی وہ عزت نہیں جو قانون کا حق ہے۔ کیوں نہیں اس لئے اس کی بنیادی وجہ صرف ایک ہے کہ ہماری وہ ایجنسیاں جو قانون بناتی اور قانون چلاتی ہیں وہ خود اپنے بنائے ہوئے قانون کو وہ اہمیت نہیں دیتیں جو اُس کا حق ہے۔

جب ہماری اعلیٰ سطح پر کوئی شخص سفارش یا رشوت دے کر قانون کی زد سے بچ سکتا ہے تو نیچے آتے آتے سینکڑوں لوگ تعلقات کے مختلف حیلوں سے اُس کی زد سے بچ جاتے ہیں، قانون میں اپنے اندر کوئی طاقت نہیں ہوتی۔ قانون نافذ کرنے والی ہستی جو ہوتی ہے اُس کے ہاتھ میں ہوتی ہے قانون کی عزت جب وہ قانون کے معاملہ میں کسی سے کوئی مروّت رعایت نہ کرے اپنے قانون کو مقدم سمجھے تو ہر فرد اُس قانون کی عزت کرتا ہے۔

لاکھ برائیاں ہیں یورپ میں کفر ہے فسق و فجور ہے ہزاروں اختلاف ہیں ہمارے اُس معاشرے اُس تہذیب کے ساتھ لیکن ایک بات وہاں ہے غلط سہی جو غلط قانون بھی وہ بنادیں وہ اُس کی خود عزت کرتے ہیں آپ دیکھیں پورے یورپ میں خواہ اُس کا قانون درست ہے یا غلط ہے ہر شہری اُس غلط قانون کو بھی پامال کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

ہمارے ہاں کیوں قانون کی توہین ہوتی ہے؟ کیونکہ قانون بنانے والے قانون چلانے والے ادارے خود اُس کو وہ اہمیت نہیں دیتے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں نے یہ قانون بنایا حکم ہے یہ میرا اور یہاں خطاب ہے اُس ہستی کو جس کی مثل کائنات میں دوسری کوئی ہستی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں اگر آپ بھی قرآن کے منشا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے منشا کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کریں تو اللہ کی گرفت سے بچنے کا کوئی جواز نہیں یعنی کوئی بھی انسان جو اللہ کی کائنات میں لیتا ہے نزولِ قرآن کے بعد وہ مکلف ہے کہ قرآن کی اطاعت کرے اور اگر اطاعت نہ کرے کسی دوسرے طرزِ حیات کو اپنائے تو اللہ کی بارگاہ میں وہ اُس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ ممکن ہی نہیں۔

اب یہاں صورت یہ ہے کہ ہم اس بات پہ مطمئین ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں ایک ماننا ہوتا ہے صرف کہہ دینا اور ایک ماننا ہوتا ہے اس کہہ دینے پر عمل کرنا۔ جو مطالبہ اللہ کا ہے وہ کہہ دینے کے ساتھ اس کے مطابق عمل کرنے کا ہے آپ ملکی قانون کو تسلیم کرتے ہیں میں بھی تسلیم کرتا ہوں لیکن ہم اگر اپنی پسند سے کرتے ہیں تو ایک دن میں اگر ہم دس مرتبہ قانون توڑیں گے تو ہمارے خلاف دس چارج شیٹ لگیں گے دس دفعہ ہمارے خلاف پرچہ ہوگا دس دفعہ چارجز لگیں گے۔

اس طرح اگر ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس قانون کو تسلیم کرتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو اس کے بعد اسے توڑنا سنگین جرم بن جائے گا۔ اس اقرار کے بعد عملی زندگی میں اس کی مخالفت جو ہے وہ اس کی نسبت زیادہ سنگین جرم بن جاتا ہے جو ابھی اقرار تک ہی نہیں پہنچے۔ تو ہم اگر اپنا محاسبہ کریں افسوس تو یہی ہے کہ ہم نے اپنا محاسبہ چھوڑ دیا ہے دن ہو یا رات کا کوئی لمحہ جب بھی دو شخص مل بیٹھیں تو کسی تیسرے کا محاسبہ کرتے ہیں یہ بڑی عجیب بات ہے حق یہ بنتا ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنا محاسبہ کرے اور وہ یہ دیکھے کہ یہ لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد کیا واقعی میں نے حق الوہیت صرف اللہ کے لئے محفوظ رکھا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنے کے بعد کیا میں نے مقام رسالت کیا صرف اور صرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے محفوظ رکھا ہے۔

اللہ کا حق یہ ہے کہ صرف اُس اکیلے کی عبادت کی جائے عبادت صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ اطاعت جو حصول نفع کے لئے یا دفع ضرر کے لئے کسی مصیبت سے بچنے کے لئے یا کسی آمدن کسی نفع کو حاصل کرنے کے لئے جو اطاعت بھی کی جائے گی وہ عبادت ہوگی تو کیا ہماری ساری اُمیدیں اُس اکیلے سے وابستہ ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو کیا ہماری اُمیدیں الف ب ج سے کسی تیسرے شخص سے ہیں؟ کیا ہم اُس شخص کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سے مقدم سمجھتے ہیں خدا کی اطاعت کا وقت گزر جاتا ہے یا اُس کی اطاعت کا دامن چھوٹ جائے اُس شخص کی اطاعت کا دامن نہ چھوٹے تو آپ دیکھ لیجئے گا قیامت کے دن خدا کہہ دے گا تیرا خدا میں نہیں ہوں۔ تو تو اُسے خدا سمجھتا رہا۔

جو شخص اپنی خواہشات نفس کا اور اپنی آرزؤں کا بندہ بنا ہوا تھا اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں اپنے نفس کی اطاعت کو مقدم رکھتا تھا اللہ نے فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

افرأيت من اتخذ الٰهه هواه - آپ نے دیکھا اس شخص کو اس نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے یعنی میرے حکم کو چھوڑ دیتا ہے اپنے نفس کی خواہش کو نہیں چھوڑتا تو اس کا معبود میں نہیں ہوں اس کا نفس اس کا معبود ہے۔

تو اب ہم دیکھیں اپنا محاسبہ کر کے کہ دن میں کتنی دفعہ ہم اللہ کی اطاعت کا حلقہ توڑ کر اپنی کسی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنی کسی آرزو کی تکمیل کے لئے کسی لذت کے حصول کے لئے کسی نفع کے حصول کے لئے یا کسی سے ڈر کر یا کسی نقصان سے خوف زدہ ہو کر خدا کے مقابلے میں اپنے نفس کی یا کسی دوسرے کی اطاعت تو نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو ہمارا یہ دعویٰ لا الٰہ الا اللہ کہاں گیا دعویٰ تو یہ تھا کہ خدا کے سوا اللہ کے سوا کوئی اس قابل ہے ہی نہیں کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

یاد رہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا معنی حقیقتاً یہ بنتا ہے اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے ورنہ معبودان باطلہ سے بھی تو دنیا بھری ہوئی ہے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ بھی معبود ہے یہ بھی معبود ہے یہ بھی معبود ہے تو یہاں الٰہ کا معنی یہ ہوگا کہ واقعی جو معبود ہے جو حق عبادت رکھتا ہو جس کا یہ استحقاق بنتا ہو کہ اس کی عبادت کی جائے اللہ کے بغیر کوئی نہیں۔

تو جب دعویٰ یہ ہے اور عمل یہ ہے کہ دن میں ہم بیس معبود بنا لیتے ہیں ادھر فائدہ کیا ہوگا یہاں تو حق مجروح ہوتا ہے خداوند تعالیٰ کا۔ رسول کا حق کیا ہے رسول کا حق ہے امت پہ کہ بے چون و چرا امت اس کا اتباع کرے بغیر کسی سوال کے۔ اور کوئی بھی لیڈر ہو۔ وہ سوال سے مستثنا نہیں ہے پیر ہو مولوی ہو یا سیاسی لیڈر ہو وہ اپنے فالور یا پیچھے چلنے والوں کے سامنے جواب دہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا لیکن رسول وہ پیشوا ہوتا ہے جو کسی پیچھے چلنے والے کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتا۔

یعنی رسالت میں اور عام لیڈر شپ میں یہ فرق ہے کہ ہر لیڈر اپنے پیچھے چلنے والوں کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اور اپنے ہر فعل کا جواز پیش کرتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں سیاست کے میدان میں کہ جو لیڈر اپنی حرکات کا زیادہ سے زیادہ جواز پیدا کر سکے وہ لوگوں میں بہت زیادہ مقبول ہو جاتا ہے بہت لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ خواہ وہ جھوٹ بول کر لوگوں کو مطمئن کر لے لیکن وہ اپنی ذات کا کوئی نہ کوئی جواز لوگوں کے ذہن میں ڈال دے تو وہ بڑا مقبول لیڈر بن جاتا ہے۔

لیکن رسول کا منصب یہ ہوتا ہے ثم یحکموک فیما شجر بینہم کہ کوئی بھی دو مسلمان مرد ہوں یا عورت کوئی بات آجائے تو اس میں فیصلہ تسلیم کریں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ثم لا تجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ۔ پھر زبان سے اظہار کرنا تو دور کی بات ہے ان کے دل میں بھی تیرے فیصلہ کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہو کسی کے دل میں بھی یہ بات نہ آئے کہ میرے رسول نے ایسا کیوں کہا اگر یہ کیوں زبان پر نہ آئی دل پہ آگئی تو بھی رسول کی اتباع کا حق جاتا رہا۔

یعنی رسول کا حق امتی پر اتنا بنتا ہے

النبی اولٰی بالمومنین من انفسہم اپنی جان سے مومن کے لئے اس کا رسولؐ قریب تر ہے جان کی حفاظت کا خیال بعد میں ہو گا ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا خیال پہلے ہو گا ۔ رسول کا حق اتنا بنتا ہے امتی پہ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کسی بارے میں فیصلہ صادر فرمادیں تو جس کے خلاف جا رہا ہو فیصلہ میں کچھ کہنا چاہتا ہو نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تو حرف دل میں اگر احتجاج پیدا ہو کر کاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہتے تو یوں ... زبان پر نہ آئے تو بھی حق رسالت مجروح ہو گیا ثم لا تجدوا فی انفسہم حرج مما قضیت پھر ان کے اندرون سینہ بھی کوئی دکھ کوئی احتجاج پیدا نہ ہو کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا۔

تو جب اتنا بڑا گہرا حق ہے نبیؐ کا تو کیا ہم اپنے ایک دن کا محاسبہ کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ ہم نے کتنے مقامات پر رسولؐ کے اس حق کو توڑا ہے صبح سے لیکر شام تک کتنے ایسے مقام آتے ہیں جہاں اللہ کا رسولؐ کچھ کرنے کو کہتا ہے اور ہم کچھ اور کر رہے ہوتے ہیں ۔

تو جب نہ لا الہ الا اللہ کی حفاظت ہو سکی نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہو سکی تو نتیجہ کیا ہو گا سوائے پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہو گا ۔ یہی پریشانی جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے یہی مصائب جن پہ ہم شکوہ کناں ہیں اور یہ شکایت رکھتے ہیں زباں پر نہ لائیں اپنے دل میں ہم یہ شکایت رکھتے ہیں کہ خدایا ہم تو مسلمان ہیں ہم تو تیرے ماننے والے ہیں تیرے نبی کی امت ہیں جو تجھے نہیں مانتے عیش کر رہے ہیں اور ہم تجھے مانتے ہیں ہم پہ مصیبت ٹوٹ گئی ہے اور ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہم ماننے والے اسی کا انکار کرتے ہیں ہم نے صرف ماننے کا جھانسہ دے کر خدا کو بھی دھوکا دینے کی کوشش کی ہے ورنہ عملی زندگی میں تو ہم الٹے راستے پہ چل رہے ہیں ۔

۔ اب اس آیت کریم کو پھر سنیئے ارشاد ہوا وکذالک ارسلنا حکماً عربیا۔

اس طرح ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں عربی لب ولہجہ میں حکم کی حیثیت سے نازل فرمایا۔ لا تتبعا عہم ۔۔۔ علم ۔ اب اگر آپ اس علم کے آجانے کے بعد قرآن کے نزول کے بعد لوگوں کی خواہشات اور ان کی آرزوں کے پیچھے لگیں گے ۔ مالک من اللہ من ولی ولا ھاد ۔ تو پھر اے مخاطب اللہ کے سامنے نہ کوئی تیرا دوست ہوگا نہ تیرا کوئی ہادی ۔ کتنی سادہ کتنی سلیس کتنی سیدھی سی بات ہے تو اب اگر ہم اس آئینے میں اپنی پریشانیوں کو دیکھیں تو ہمیں یہ احساس ہوگا کہ ہمارا جرم زیادہ ہے اور خدا کی گرفت اس سے بہت کم ہے ۔ اللہ کا احسان ہے کہ وہ بے شمار جرائم سے درگزر فرما رہا ہے ۔ اور جو تھوڑا بہت بوجھ ہم پر پڑ رہا ہے یہ بہت کم ہے ہماری نافرمانیوں کے مقابلے میں ۔

ارشاد ہوتا ہے ولقد ارسلنا رسل من قبلک ۔

اے حبیب آپ سے پہلے ہم نے رسول دنیا میں ارسال فرمائے وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ ۔

ان کی بیویاں بھی تھیں وہ صاحب اولاد بھی تھے ۔ یعنی رسول کوئی دوسری مخلوق نہیں ہوتا ۔ عالم انسانیت سے مبعوث ہوتا ہے اور رسول کی وہ ساری ضروریات ہوتی ہیں جو ایک عام انسان کی ہوتی ہیں ۔

جیسے آج کل ہمیں مجبوریاں ہیں رشتہ داری کی دوستی کی اولاد کی گھر بار کی خاندان کی اپنی جائیداد کی لوگوں کے ساتھ لین دین کی تعلقات کی ۔ بے شمار مجبوریاں ہیں ۔

اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے کوئی ایک رسول ایسا مبعوث نہیں فرمایا جو ان الجھنوں سے بالا ہو جتنے نبی جتنے رسول آئے وہ دنیا میں یہ ساری چیزیں رکھتے تھے عالم انسانیت سے تھے ان کی بیویاں تھیں ان کے آباؤ اجداد تھے ان کے سسرال تھے ان کے ننھال تھے ان کے داماد تھے ان کے بیٹے تھے ان کی بہویں تھیں ۔ یوری یعنی جتنی ضروریات کسی انسان کو لاحق ہو سکتی ہیں سب انہیں بھی تھیں ۔

پھر اس کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے وما کان لرسول ۔۔۔ باذن اللہ اور کوئی رسول خدائی طاقت بھی نہیں رکھتا جتنے معجزات رسالت آپ کو ملتے ہیں فرمایا یہ بھی کام تو میرا تھا کسی رسول کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر دکھلا دے کمالات جو تھے ان کے لئے فرمایا وہ بھی میرے حکم کے محتاج تھے ۔

لکل اجل کتاب ۔ کیونکہ یہ یاد رکھو کہ ہر کام

کے لئے علمِ الٰہی میں ایک تحریر موجود ہے اُس کا فیصلہ موجود ہے آپ جب ایک چھوٹی سی مشینری بناتے ہیں اُس کا پورا فنکشن مشین بنانے سے پہلے آپ کے ذہن میں ہوتا ہے اُس کا پورا پروگرام آپ طے کر لیتے ہیں اس طرح سے یہ بنے گی اس طرح سے یہ چلے گی اور یہ اس سے حاصل ہو گا۔

اسی طرح اللہ کریم فرماتے ہیں اس کائنات کو بنانے سے پہلے اس کا فنکشن جو ہے وہ میں نے طے کر دیا ہے۔ اس طرح سے یہ بنے گی اس طرح سے یہ چلے گی اور اب اُس کے خلاف یہ نہیں چلتی اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ بات صرف انسان کے اپنے فیصلے کی ہے کہ وہ پسند کیا کرتا ہے اپنی خواہش کو قربان کر کے اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے یا اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی تکمیل چاہتا ہے اتنا سا فیصلہ کرنا ہے انسان کو۔ ہو گا وہی جو وہ چاہتا ہے۔ اِس کے فیصلے سے جو کچھ ہونا ہے وہ تبدیل نہیں ہو گا۔

لکل اجل کتاب۔ ہر کام کے لئے بات طے ہو چکی ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔ فیصلہ اس کو صرف اتنا کرنا ہے کہ یہ اپنے آپ کو اُس کی تقدیر کے تابع کرتا ہے یا خدا کی عظمت کو ٹھکرا کر اپنے فیصلے کو دنیا پہ نافذ کرنا چاہتا ہے اس نے صرف اپنے چاہنے نہ چاہنے کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس کے فیصلے سے متاثر ہو کر کوئی بات تبدیل نہیں ہوتی۔

حتٰی کہ فرمایا تمام انبیاء و رسلؑ بھی تمام ضروریات و حاجات بھی رکھتے ہیں اور جو کمالات اُن میں تھے وہ بھی فرمایا میری اجازت، میری طاقت اور میری ذات کے محتاج تھے وہ۔ لیکن ان سب احتیاجات کے رکھتے ہوئے جب انبیاء و رسلؑ نے سر مو خطا نہیں کی تو یہ ثابت ہو گیا کہ انسانیت میں یہ استعداد ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے۔

اور پھر اتنا کرم ہے اُس کا کہ جہاں کسی کی قوت جواب دے جائے وہاں سے وہ تکلیف اُٹھا دیتا ہے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے اگر نماز فرض کر دی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے تو جو کھڑا نہ ہو سکے اُس پر کھڑا ہو کر پڑھنا واجب نہیں رہتا۔ نماز میں قیام فرض ہے کھڑا ہونا فرائض صلوٰۃ میں سے ہے لیکن ایک شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تو اُس سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، وہ بیٹھ کر پڑھے۔

اسی طرح جتنے فرائض ہیں اُن میں استعداد شرط ہے جب آدمی کوئی کام کر ہی نہیں سکتا تو اُس کے بارے میں اُس سے پوچھا ہی نہیں جائے گا لیکن جو وہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے

اُس کے بارے کوشش تو پھر اُس کا حق بنتا ہے تو فرمایا انبیاء و رسل نے جو شریعت دی ہے اُس کی حرف بحرف خود پیروی کی ہے اور کوئی رسول بھی انسانی فطرت سے بالاتر نہیں ہے۔ تمام عالم انسانیت سے تشریف لائے سب کی ضروریات تھیں جتنی کہ عرب میں جس قدر زیادہ رشتہ داری حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تھی آپ کے زمانے میں کسی دوسرے عرب کی اتنی وسیع رشتہ داری نہیں تھی۔ لیکن کیا کسی کی رشتہ داری کسی کی دوستی کسی کا دباؤ کسی کی قوت حتّٰی کہ جب حضورؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو ایک اکیلا انسان روئے زمین کی ساری انسانیت کے مقابلے میں تھا۔ تو کیا یہ ساری انسانیت کا دباؤ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اپنی جگہ سے پیچھے سرکا سکا یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک اکیلا آدمی پوری دنیا کا جو رویہ ہے جو سوچ ہے جو معاشرت ہے جو تہذیب ہے جو طرز حیات ہے اُس کو چیلنج کرتا ہے ایک آدمی اکیلا اور اُس کے اُس چیلنج کرنے اور اُس کے اُس کھڑا ہونے میں وہ قوت ہے وہ شان ہے کہ دنیا بدلنا شروع ہو جاتی ہے وہ شخص خود نہیں بدلتا جس طرف وہ بدلنا چاہتا ہے اُس کے سامنے کھڑی ہوئی پوری خدائی تبدیل ہونا شروع ہو جاتی ہے وہ اکیلا انسان کسی سے متاثر نہیں ہوتا یہی قوت یہی بات اللہ کریم مسلمان میں دیکھنا چاہتا ہے۔

مسلمان وہ ہے جس کا وجود خود حالات کو تبدیل کرے نہ وہ کہ حالات جس کو روزانہ بدلتے رہیں اسلام یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ تعلق ہو اور پھر عبادت صرف اُسی کی کرے اور رسولؐ کے ساتھ تعلق کا حق یہ ہے کہ غلامی اور اتباع صرف رسولؐ کا کرے تو دونوں باتوں میں اگر معیار چھوٹ گیا تو جب ہماری طرف سے بات غیر معیاری ہو گی تو اُس پہ جو پھل لگے گا اُس کی معیاری ہونے کی توقع کیوں رکھیں۔

اور ہماری یہی خام خیالی ہے جو ہمیں اصلاح پذیر بھی نہیں ہونے دیتی اور ہمیں خدا سے بھی خدا کے پیامبر صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بھی ائمہ اسلام سے بھی خود اسلام سے بھی اور مسلمانوں سے بھی بدظن کیئے رکھتی ہے، ہمارا شکوہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود ہمارا ہاتھ تو نہ خدا نے پکڑا نہ رسولؐ نے پوچھا نہ عالم اسلام ہی ہماری فکر کرتا ہے اور حد یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم ہیں کہ اللہ کی عظمت کو ٹھکرا رہے ہیں ہم ہیں جو رسولؐ کے حق کو مجروح کر رہے ہیں اور ہم ہیں جو عالم اسلام پر بھی تباہی

کا سبب بنتے ہیں۔

بات اصل کچھ اور ہے اور ہماری سوچ کچھ اور ہے اس سوچ کے زاویے کو خداوند کریم نے اس آیت کریمہ میں درست فرمایا ہے کہ دیکھو میں نے یہ کتاب مشورہ کے طور پر حکایت کے طور پر محض بات کرنے کے لئے نازل نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے حکماً۔ یہ حکم ہے تحکیم کے طور پر نافذ کرنے کے لئے اس کی اطاعت کی جانے کے لئے اسے اتارا اور تم نے جب اس کے ساتھ ایمان کا دعویٰ کیا ہے تو جب تم اس کو چھوڑ کر دوسری راہ اپناؤ گے تو بتاؤ کون تمہاری دستگیری کرے گا۔ کیسے خدا پا سکتے ہو۔ تو میرے بھائی اپنا اپنا محاسبہ کیا کیجئے۔ اپنے آپ کبھی کبھی یہ سوچا کیجئے جب آپ صبح بیدار ہوتے ہیں شام تک میں نے جو کچھ کیا ہے کیا اس میں اللہ کا حق اللہ کے رسول کا حق مجروح تو نہیں ہوا۔

اور اگر ایک دن میں ایسے متعدد مواقع نظر آئیں تو پھر زندگی کا حساب لگائیے اور پھر دیکھیے اللہ کا ہم پر احسان ہے کہ ابھی تک ہم یہ بات کہنے کے لئے موجود ہیں ابھی تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے اصلاح کی راہ باقی ہے۔

جب تک ہم اپنے آپ کو نہیں بدلیں گے حالات نہیں بدلیں گے۔ حالات پہ جانا چھوڑ دیجئے حالات پہ کڑھنا چھوڑ دیجئے زمانے کی شکایت نہ کیا کیجئے تب تک جب تک آپ اپنے آپ کی اصلاح نہیں کر لیتے۔ اور میں یہ یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ جو شخص جب اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو اگر وہ آگ کے الاؤ میں بھی بیٹھا ہو اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں جنت میں بیٹھا ہوں آپ کے اس آج کے ماحول اور معاشرے میں بھی ایسے لوگ بستے ہیں جو بڑے مزے سے جیتے ہیں۔ آج جب ہم دیکھتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص آرام سے نہیں ہوگا اس دوزخ یا بھڑکتی ہوئی آگ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بڑے سکون سے سوتے ہیں بڑے آرام سے اٹھتے ہیں اور بڑے لطف سے زندہ رہتے ہیں۔

کیوں شاید اس لئے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور یقیناً اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی الوہیت کو اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کے حقوق کو مجروح اور پامال کرنا چھوڑ دیا۔ ہم میں سے کوئی بھی شخص جو اللہ کے حقوق کو پامال کرے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حقوق کو پامال کرے گا۔ وہ کبھی مطمئن زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔

خداوند عالم صحیح سمجھ اور توفیق عمل عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دل آزاری

ابوسعید

اطمینان، سکون اور آرام انسان کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اور اس نعمت کے چھن جانے کا نام رنج، دکھ اور آزار ہے۔ اور اس محرومی کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی مالی یا جانی نقصان ہو۔ یا عزت و آبرو پر حملہ ہو یا کوئی ذہنی پریشانی لاحق ہو۔ مگر ان میں سے خواہ کوئی صورت پیش آئے پریشانی بے اطمینانی اور رنج و افسوس کا آخری ہدف انسان کا دل ہوتا ہے۔ یعنی محرومی کی کوئی صورت بھی ہو آزار دل کو پہنچتا ہے اس لئے جب دل آزاری کی ممانعت کا ذکر آتا ہے تو اس میں یہ ساری صورتیں آجاتی ہیں۔

دل آزاری کی وہ صورت جسے بالکل معمولی سمجھا جاتا ہے اور اگر مادہ پرستی کے اس دور میں مادی پیمانوں سے اسے ناپا جائے تو اس کا وجود ہی نہیں پایا جاتا وہ ہے کسی کو برا بھلا کہنا یا گالی دینا۔ ظاہر ہے کہ اس سے نہ تو کسی کا مالی نقصان ہوتا ہے نہ جسم پر کوئی زخم آتا ہے مگر اس سے دل اتنا دکھتا ہے کہ اس کا ازالہ ممکن ہی نہیں ہوتا جبھی تو کسی اہل دل نے کہا ہے ؎

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ماجرح اللسان

یعنی تلوار اور نیزے کے زخم تو مندمل ہو سکتے ہیں لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم مندمل نہیں ہو سکتے۔

اسی حقیقت کو ایک اور عارف نے اپنے رنگ میں کہا ہے ؎

گر صد ہزار لعل و گہر می دہی چہ سود
دل را شکستۂ نہ کہ گوہر شکستۂ

یعنی تو اگر لاکھوں ہیرے جواہرات بھی دے دے تو کچھ فائدہ نہیں کیونکہ تو نے دل توڑا ہے کوئی ہیرے جواہر تھوڑے ہی توڑے ہیں یہ احساس انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے اس لئے پنجابی زبان میں بھی اس کا اظہار ملتا ہے جیسے ع

پھٹ مل ویندے بول نہ وسرن یاراں دے

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس نے انسانی فطرت کے کسی گوشے کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ آزار کی اس قسم کو بھی زیر بحث لاکر اس کے خطرات کے متعلق متنبہ کیا اور اس سے باز رہنے کی تلقین اور تاکید فرمائی چنانچہ ارشادات نبوی کے ذخیرہ یعنی کتب حدیث میں حفظ اللسان کا مستقل باب ملتا ہے جس میں پہلی حدیث ایک جامع اور اصولی تعلیم کی حامل ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شرمگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کرے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

دوسری حدیث میں فرمایا۔

سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے یعنی اللہ تعالے کی فرمانبرداری کے دائرہ سے خارج ہوجانا ہے اور مسلمان سے جنگ کرنا کفر ہے۔

اللہ تعالے نے تو اپنے آخری کلام میں حفظ لسان کے سلسلے میں یہاں تک احتیاط کرنے کا حکم دیا کہ کفار کے معبودوں کو بھی برا بھلا نہ کہو کہیں یہ بھی تمہارے معبود یعنی اللہ تعالے کو بے ادبی سے برا نہ کہنے لگیں۔

غالباً اسی وجہ سے اہلِ دل تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ ؎

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

یعنی کسی کی دل آزاری کے درپے نہ ہو اور جو چاہے کر کیونکہ ہمارے نزدیک اس کے سوا کوئی گناہ ہی نہیں۔

چونکہ یہ اسلامی ملک ہے اور حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں امکانی حد تک اسلام کی تعلیمات کو مدنظر رکھا جائے چنانچہ سب چاہتے ہیں کہ کسی کی دل آزاری نہ ہونے پائے۔ لیکن اس سلسلے میں ہم ایک عجیب المیہ کا شکار ہیں خدا جانے یہ کیسے فرض کر دیا گیا ہے کہ ملک کی صرف تین فی صد آبادی کے سینے میں دل ہے اور ۹۵ فیصد مسلمان آبادی کے سینے میں یا دل ہے ہی نہیں اگر ہے تو وہ برف کی قاش ہے یا پتھر کی سل ہے۔ کیونکہ وہ تین فیصد لاٹ ے اگر ۹۵ فیصد مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں رات دن کریں صبح و شام کریں جھوٹ کے طومار باندھ دیں لاؤڈ سپیکر پر جھوٹ کی اشاعت کریں اسے قطعاً دل آزاری نہ سمجھا جائے اور ۹۵ فیصد مسلمانوں میں سے اگر کوئی اللہ و رسول کی بات کہہ دے تو اسے دل آزار قرار دیکر اسے کشتنی اور سوختنی قرار دیا جائے جبکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اس سے ۳ فیصد آبادی کا دل دکھتا ہے تو صرف

حق بات سننے سے اب ان کی دل آزاری سے بچنے کی ایک ہی منطقی صورت ہے کہ مسلمان حق کہنے سے دستبردار ہو جائے۔ اگر اصول یہی ہے تو اس کو ذرا پھیلا کر دیکھیں۔

۱۔ مسلمان کہتا ہے اللہ ایک ہے۔ اس سے تو ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ وہ بھی پاکستان میں رہتے ہیں لہذا ان کی دل آزاری سے بچنے کے لئے مسلمان کو توحید سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔

۲۔ مسلمان کہتا ہے اللہ وہ ہے کہ لیس کمثلہ شیئ اس سے تو آغا خانیوں کا دل دکھتا ہے کیونکہ ان کا ایمان ہے روئے زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے۔ تو کیا مسلمان اس عقیدہ سے دستبردار ہو جائے۔

۳۔ مسلمان کہتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں اس سے مرزائیوں کی دل آزاری ہوتی ہے تو کیا ہماری سرکار چاہتی ہے کہ مسلمان اس عقیدے سے دستبردار ہو جائے۔

۴۔ مسلمان کہتا ہے قرآن حکیم اللہ کی آخری کتاب ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس کا ایک ایک نقطہ ایک ایک حرف تک ٹھیک اسی حالت میں محفوظ ہے جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اس سے روافض کی دل آزاری ہوتی ہے اب بتایئے مسلمان کیا کرے۔

اگر اس طرح سے دل آزاریوں سے بچنے کا مطالبہ ہے تو صاف کہہ دیجئے کہ اسلام سے دستبردار ہو جایئے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کا کوئی دوسرا مفہوم نہیں اللہ کریم نے اس کی نشاندہی فرما دی ہے

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم۔

"کہ یہود و نصاریٰ تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا مذہب اختیار نہ کرو۔"

پھر تنبیہ فرمائی کہ:

ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من ولی ولا نصیر۔

"یعنی اگر تم ان کی ہوائے نفسانی کا اتباع کرنے لگے جبکہ حقیقی علم قرآن کی صورت میں تمہارے پاس پہنچ چکا ہے تو اللہ کے عذاب سے تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔"

دونوں ٹکڑوں کے ملانے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کا مذہب ان کی ہوائے نفس کے بغیر کچھ نہیں۔ اور یہودی تحریک خواہ کسی رنگ میں ہو اس کا تانا بانا ہوائے نفس، جھوٹ، ڈرامہ اور ناٹک کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔

بُرا بھلا کہنے کے لیئے گالی کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے اب ذرا گالی کے فلسفہ پر غور فرمائیے۔ کوئی کسی کو جب گالی دیتا ہے تو اس کی ماں بہن، بیوی، بیٹی کو بُرا بھلا کہتا ہے، مخاطب کو کچھ نہیں کہتا، تیری ماں، تیری بہن تیری رن، ایسی تیسی ۔ ۔ ۔ اور عورت گالی دے تو کہتی ہے تیندڑا پیئو ۔ ۔ ۔ ۔

سوال یہ ہے کہ جب مخاطب کو کچھ نہیں کہا جارہا تو اس کی دل آزاری کیوں ہوئی۔ بُرا بھلا تو اس کی ماں بہن وغیرہ کو کہا جارہا ہے، تو معلوم ہوا کہ کسی کے محبوب کو یا کسی کے بزرگ کو بُرا بھلا کہا جائے تو سننے والے کی دل آزاری ہوتی ہے اور اس پر بھی اگر سننے والا خاموش رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے غیرت اور حمیت رخصت ہو گئی ہے۔

جہاں تک مسلمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی کیفیت کا معاملہ ہے مسلمان کو یہ کہنا کہ اگر کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو چپ رہنا بلکہ دعائیں دینا ورنہ گالی دینے والے کی دل آزاری ہو گی۔ کہاں کا انصاف ہے۔

اب یہ ۳ فیصدی آبادی ڈٹ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی ہے، مخاطب نبی کریمؐ کی ازواج مطہراتؓ ہوتی ہیں آپؐ کی بیٹیاں ہوتی ہیں آپ کا داماد ہوتا ہے آپؐ کے خُسر ہوتے ہیں، آپؐ کے محبوب صحابہؓ ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مخاطب یہ ہوتے ہیں لیکن دراصل گالی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ گالی کا فلسفہ ہی یہی ہے اب سوچنا یہ ہے کہ اس سے کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری نہیں ہوتی تم عجب مسلمان ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری کرنے والوں کو تو کھلی چھٹی ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں پر پابندی ہے کہ خبردار حق بات نہ کہنا۔ کیا نفاذِ اسلام کا یہی تقاضا ہے۔

یہ جو روافض کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی صحابہؓ سب مرتد ہو گئے صرف تین چار رہ گئے، اور وہ جو مرتد ہو گئے وہ بھی جھوٹے تھے البتہ ان کے جھوٹ کا نام نفاق ہے اور جو رہ گئے وہ بھی جھوٹے تھے البتہ ان کے جھوٹ کا نام تقیہ ہے۔ اب سوچئیے یہ گالی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جارہی ہے یا صحابہؓ کو، ظاہر ہے کہ پیچھے یہودی ذہن کام کر رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ)

ایسے ناکام اور نااہل تھے کہ ۲۳ برس میں ایک بھی ایسا آدمی تیار نہ کر سکے جو سچ بول سکے۔ صاف ظاہر ہے کہ مخاطب صحابہ ہیں گالی رسول کریم کو دی جا رہی ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ایذا نہیں پہنچتی۔ اور یہ ایسا جرم ہے کہ اللہ کریم نے وعید سنائی۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا (الاحزاب)

تو جن پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت برستی ہے ان روافض کی دل آزاری نہ کرنے کا اتنا اہتمام۔ "اندھیرا ہو رہا ہے عقل کی روشنی میں"

۲- اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا۔

لیعنی اے میرے نبیؐ کے براہ راست شاگردو! اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرے اور اس کا ایمان تمہارے ایمان کی طرح ہو تو وہ مقبول ورنہ مردود۔

اور یہ ۳ فیصد کالی مخلوق کہتی ہے کہ وہ مومن ہی نہیں تھے ان کے ایمان کا ثبوت پیش کرو۔ اب یہ صحابہ کو گالی نہیں اللہ کو گالی دی جا رہی ہے تو ایسا کہنے والے کیسے ملعون ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کے صحابہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم۔

"یعنی میں نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا اور تمہارے دلوں کو ایمان سے مزین کر دیا۔ اور یہ فقہ جعفریہ کے متوالے کہتے ہیں صحابہؓ ایمان سے خالی تھے۔ فیصلہ کیجئے اللہ تعالیٰ سچا ہے یا یہ تقیہ باز سچے ہیں اور یہ صحابہؓ کو گالی دی جا رہی ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان

"یعنی اے میرے نبیؐ کے صحابہؓ میں نے تمہاری سرشت میں یہ رکھ دیا کہ کفر، نافرمانی اور گناہ سے تمہیں دلی نفرت ہے اور یہ مسلمانوں پہ کفر کی غلاظت مسلط کرنے والے کہتے ہیں کہ صحابہؓ تو سارے کے سارے مرتد ہو گئے اور ان کا ترجمان امام کہتا ہے کہ شیخینؓ تو صرف اقتدار اور دنیا کی خاطر اسلام سے چمٹے رہے اب بتائیے یہ گالی صحابہؓ کو دی جا رہی ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کے لئے اعلان فرمایا ہے اولئک ھم الراشدون یعنی یہی تو

ہدایت یافتہ ہیں"

اور یہ فساد برپا کرنے کے رسیا کہتے ہیں صحابہ تو سارے گمراہ تھے اب بتایئے یہ گالی صحابہؓ کو دی جا رہی ہے یا اللہ تعالےٰ کو۔

مختصر یہ کہ شیعہ لوگ اللہ کی ہر بات جھٹلا دیں مگر اللہ والوں کی دل آزاری نہ ہو۔ اور اللہ کے بندے اللہ کے بتائے ہوئے حق کا اظہار کریں تو ان لاڈلوں کی دل آزاری ہونے لگے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسے صدیقؓ کہیں یہ ۲ فیصد اسے غاصب کہیں تو یہ کس کو گالی دی جا رہی ہے۔

نبی کریمؐ جس کو اپنے رب سے مانگ کے لیں اسے یہ لوگ کافر اور غاصب کہیں تو یہ گالی کس کو دی جا رہی ہے۔ معلوم ہؤا کہ یہ تین فی صد ہوائے نفس کے پجاری۔ اللہ سے روٹھے ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض۔ اللہ و رسولؐ پہ اپنا غصہ نکالنے کے لئے صحابہؓ کو مخاطب کر کے اللہ و رسول کو گالیاں دیتے تھکتے نہیں اور ستم بالائے ستم یہ ان کی گالیوں کو گلفشانی تصور کیا جاتا ہے۔ اور کوئی اللہ کا بندہ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم اللہ و رسولؐ کی بات کرے تو اسے دل آزاری شمار کیا جائے۔ حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس روّیہ کو بدلا جائے اور اللہ و رسولؐ کے نام پہ حاصل کئے ہوئے اس ملک میں اللہ و رسولؐ کی شریعت کی بالادستی تسلیم کی جائے اور عملاً اسے نافذ کیا جائے نہ یہ کہ اللہ و رسولؐ کے دشمنوں اور ہوائے نفس کے پرستاروں کا ہر الٹا سیدھا مطالبہ تسلیم کرنے کے لئے کمیٹیاں بٹھا دی جائیں۔

صدر محترم نے اپنے ایک تازہ بیان میں قومی اسمبلی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمانوں نے آپکو منتخب کیا ہے تو قیام جمہوریت اور قیام نظام اسلام کے لیے" (ص ۲۳)

اور نظام اسلام وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ کیا اور خلافتِ راشدہ میں نافذ رہا۔ عبداللہ بن سبا، زرارہ اور ابو بصیر کا نظام نظام اسلام نہیں۔

گو صدر محترم نے ایک حقیقت کا اعتراف کر کے نفاذِ اسلام کی قلعی کھول دی۔ فرمایا:۔

"میری گستاخی معاف کیجیے
اگر میں کہوں کہ آپ نے جو ترمیم
شدہ آئین منظور فرمایا ہے وہ

جمہوری اور پارلیمانی تو ہو سکتا ہے
لیکن اسلامی نہیں ہے۔"
خوب کہا اکبرؔ نے سے
نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو پھر اس کی کیا خوشی ہے کوئی جٹ کوئی جج ہے
بھاڑ میں جائے وہ جمہوری اور پارلیمانی
جو اسلامی نہیں ہے۔
کیا یہ ملک جمہوریت اور پارلیمانیت کے
لئے حاصل کیا گیا تھا۔ یا اسلام کے لئے۔

اڑتیس برس کی کوششوں کا اور چالیس
روز کی بحثوں کا ماحصل یہ ہوا کہ
آئین اسلامی نہیں ہے۔

ع
مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے
انما اشکوا بثی وحزنی
الی اللہ۔

آپ کی اطلاع کیلئے

دارالعرفان میں برانچ پوسٹ آفس کا اجراء ہو چکا ہے۔ یکم اگست
سے ڈاک کا سلسلہ نئے ڈاکخانے سے شروع ہو گیا ہے۔
آئندہ آپ صرف اس پتہ پر
خط و کتابت کیا کریں
"مقام و ڈاکخانہ دارالعرفان ضلع چکوال" ۔ المرشد کے دفتر چکوال سے
خط و کتابت کے لئے ایڈریس الحسنات منزل چکوال ۔ فون پر رابطے کے لئے
نمبرہ فون ۱۵ چکوال ۶۹۹

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے

آپ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد یسار مشہور صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور خود آپ نے اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پرورش پائی ہے۔

آپ کی داعیانہ صلاحیتیں:

حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالےٰ وہ تمام صلاحیتیں جمع فرما دی تھیں جو اس دور کے مخصوص حالات میں دین کا وقار بڑھانے اور دینی دعوت کو موثر بنانے کے لئے درکار تھیں۔ ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت دل آویزی اور کشش تھی۔ ایک طرف وہ دین میں پورا تبحر اور گہری بصیرت رکھتے تھے۔ بلند پایہ مفسر اور مستند محدث تھے جس کے بغیر اس وقت کوئی اصلاحی کوشش انجام نہیں پا سکتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کا انہوں نے اچھا خاصا زمانہ پایا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے بڑے غور سے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ مسلمانوں کی زندگی اور اسلامی معاشرے میں جو تغیرات پیش آئے تھے ان پر گہری نظر رکھتے تھے اپنے زمانہ کی سوسائٹی، ہر طبقہ زندگی اور معاشرہ سے وہ پورے طور پر باخبر تھے۔ اسکی خصوصیات اور اس کی بیماریوں سے ایک تجربہ کار طبیب کی طرح واقف تھے۔ بڑے فصیح و بلیغ اور شیریں زبان تھے جب وہ گفتگو کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے جب آخرت کا بیان کرتے تھے یا صحابہ کرامؓ کے دور کی تصویر کھینچتے تھے تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں۔ مشہور امام لغت و نحو ابو عمرو بن العلاء کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا اور حسن تو حجاج سے زیادہ فصیح تھے۔ وسعت علم کا یہ عالم تھا کہ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ میں دس برس تک حسن بصریؒ کے پاس آتا جاتا رہا ہر روز ان سے کوئی ایسی بات سنتا تھا جو اس سے پہلے نہیں سنی۔ ایک شخص نے ان کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا۔

"وہ اپنے علم و تقویٰ، زہد و ورع، استغناء عالی ہمتی، لطافت، تفقہ اور علم کے اعتبار سے ایک درخشاں ستارہ تھے۔ ان کی مجلس میں قسم قسم کے لوگ جمع رہتے تھے، اور ہر ایک فیض پاتا تھا ایک شخص حدیث حاصل کرتا ہے ایک تفسیر میں استفادہ کر رہا ہے ایک تفقہ کا درس لے رہا ہے ایک فتویٰ پوچھ رہا ہے کوئی مقدمات فیصل کرنے کے قواعد سیکھ رہا ہے کوئی وعظ سن رہا ہے

اور وہ ایک بحر ذخار ہیں جو موجیں لے رہا ہے اور ایک روشن چراغ ہیں جو محفل کو پُر نور کر رہا ہے کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں ان کے کارنامے اور حکام و امراء کے روبرو پوری فصاحت اور پرشکوہ الفاظ میں اظہار حق کے واقعات بھلانے کی چیز نہیں ۔" (ثابت بن قرہ)

اس کے علاوہ اور اس سب سے بڑھ کر ان کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ محض صاحب قال اور صاحب کمال نہ تھے بلکہ صاحب دل اور صاحب حال بھی تھے جو کچھ کہتے تھے ان کے دل سے نکلتا تھا اس لئے دل پر اثر کرتا تھا جس وقت تقریر کرتے تھے سراپا درد و اثر ہوتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ بصرہ و کوفہ میں بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب درس تھے مگر ان کے حلقہ درس میں مقناطیس کی کشش تھی ۔ ان کے مواعظ و بیانات کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو کلام نبوت سے بڑی مناسبت تھی ۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ کا کلام کلام انبیاءؑ کے طرز کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے ایسی مناسبت دوسرے واعظین کے کلام میں نہیں دیکھی گئی ۔ اسی طرح ان کا طرز زندگی صحابہ کرامؓ کے طرز زندگی سے بہت مشابہ تھا ۔

ان کی خصوصیات و جامعیت کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کی شخصیت سے مسحور تھے اور ان کو امت محمدی کے ممتاز ترین افراد میں شمار کرتے تھے تیسری صدی کے ایک غیر مسلم فلسفی ثابت بن قرہ کا مقولہ ہے کہ امت محمدیہ کی جن ممتاز ترین شخصیتوں پہ دوسری امتوں کو رشک آنا چاہیے ان میں حسن بصری بھی ہیں ۔ مکہ معظمہ ہمیشہ عالم اسلام کا مرکز رہا ہے وہاں ہر فن کے صاحب کمال آتے رہتے ہیں ۔ لیکن اہل مکہ بھی حسن بصری کا علم دیکھ کر ان کی تقریر سنکر ششدر رہ گئے کہ ہم نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا ۔

حسن بصریؒ کے مواعظ :

حسن بصریؒ کے مواعظ دور صحابہؓ کی قوت اور سادگی کا نمونہ ہیں ۔ ان میں زیادہ تر دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی بے وفائی اور آخرت کی اہمیت کے مضمون، ایمان وعمل کی تلقین، تقویٰ اور خشیت الٰہی کی تعلیم اور طول امل اور تہذیب نفس کی اہمیت ملتی ہے خصوصاً اس دور میں جس پر مادیت اور غفلت کا سخت حملہ ہوا تھا، عوام اور بہت سے خواص دولت اور عیش وعشرت کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہے چلے جا رہے تھے ان ہی مضامین کی ضرورت تھی ۔ آپ نے چونکہ صحابہ کرامؓ کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا ۔ اب حکومت امویہ کا شباب دیکھ رہے تھے اس لئے وہ اپنے مواعظ میں اکثر بڑے درد و جوش کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایمانی کیفیات اور ان کی ایمانی

اور عملی خصوصیات بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور جب وہ ان دونوں زمانوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس عظیم انقلاب کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں جو ان کے دیکھتے دیکھتے ایمان وعمل اخلاق و عادات میں رونما ہوا تھا تو ان کا درد اور جوش بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کے مواعظ تیر ونشتر بن جاتے ہیں۔ ان کے مواعظ اپنی دل آویزی اور دلنشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح وبلیغ زبان اور ادب عالیہ کا نمونہ ہیں۔ ایک موقعہ پر اہل زمانہ پر تبصرہ، صحابہ کرامؓ کا تذکرہ اور اسلامی اخلاق کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے افسوس لوگوں کی امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا۔ زبانی باتیں ہیں عمل کا نشان نہیں علم ہے مگر صبر نہیں، ایمان ہے مگر یقین سے خالی آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نہیں، آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندہ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے۔ لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر منکر گئے انہوں نے پہلا حرام کیا پھر اسی کو حلال کر لیا۔ تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ اگر پوچھا جاتا ہے کیا تم روز حساب پر یقین رکھتے ہو تو جواب ملتا ہے ہاں ہاں۔ قسم ہے روزِ جزا کے مالک کی تم نے غلط کہا۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ دین میں قوی ہو۔ صاحب ایمان یقین ہو، اس کے علم کے لئے حلم اور اس کے حلم کے لئے علم باعث زینت ہو، عقلمند ہو لیکن نرم خو، اس کی خوش پوشی اور ضبط اس کے فقر و افلاس کی پردہ داری کرے۔ دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم و کریم حقوق کی ادائی میں کشادہ دست اور فراخ دل، انصاف میں سرگرم و ثابت قدم کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی نہ ہونے پائے کسی سے محبت ہو تو اس کی مدد میں حد شریعت سے نہ بڑھنے پائے نہ عیب چینی کرتا ہو، نہ طنز و اشارہ نہ طعن و تشنیع نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام ہو نہ لہو ولعب سے دلچسپی، چغل خوری نہیں کرتا۔ جو اس کا حق نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا۔ جو اس پر واجب آتا ہے اس کا انکار نہیں کرتا معذرت میں حد سے نہیں بڑھتا، دوسرے کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتا دوسرے کی معصیت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی مومن کی نماز میں خشوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے اس کا کلام شفا کا پیام، اس کا صبر تقویٰ اس کا سکوت سراسر غور و فکر، اس کی نظر سراپا درس و عبرت ہے۔ علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے علم کی خاطر، خاموش رہتا ہے تو اس لئے کہ گناہوں کی گرفت سے محفوظ رہے بولتا ہے تو اس لئے

کہ کچھ ثواب کمائے اور فائدہ حاصل کرے، نیکی کرکے اسے خوشی ہوتی ہے غلطی ہو جائے تو استغفار کرتا ہے، شکایت نہیں کرتا ہے۔ اس کے دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی تلافی کر لیتا ہے اس سے کوئی جہالت کرتا ہے، تو وہ تحمل اور عقل سے کام لیتا ہے، ظلم ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے کوئی اس کے حق میں ناانصافی کرے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالے کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا، مجمع میں باوقار تنہائی میں شکر گذار، رزق پر قانع آرام کے زمانہ میں شاکر، مصیبت میں ذاکر، ذاکروں میں ہو تو استغفار میں شامل یہ تھی شان اصحاب رسول اللہ کی ۔

اپنے درجوں اور مرتبہ کے مطابق جب تک دنیا میں رہے اسی شان سے رہے اور جب دنیا سے گئے اسی آن بان سے گئے، مسلمانو! تمہارے سلف صالحین کا یہ نمونہ تھا جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا تو اللہ نے بھی تمہارے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا۔

ایک اور وعظ اسی دلسوزی سے فرما کر آخر میں فرمایا کہ اس وعظ و نصیحت میں تو کوئی کمی نہیں لیکن دلوں میں زندگی بھی تو ہو۔

ان کی حق گوئی اور بے باکی:

آپ کے کمالات فصاحت و بلاغت تبحر علمی اور تقریر و تاثیر تک ہی محدود نہ تھے بلکہ وہ اپنے زمانہ میں حق گوئی و بے باکی اور اخلاقی جرأت و شجاعت میں بھی ممتاز تھے، انہوں نے خلیفہ وقت یزید بن عبدالملک پر برملا تنقید کی۔ ایک موقعہ پر سر درس کسی شخص نے سوال کیا کہ اس زمانہ فتن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا، نہ اس کا ساتھ دو نہ اُس کا ساتھ دو، ایک شامی نے کہا نہ امیرالمومنین کا، یہ سنکر آپ کو غصہ آگیا پھر ہاتھ اٹھا کر کہا ہاں نہ امیرالمومنین کا ہاں نہ امیرالمومنین کا۔ حجاج کی تلوار اور سفاکی مشہور ہے مگر حسن کی زبان اس زمانہ میں بھی اظہار حق سے باز نہ آئی۔ اور اس کے متعلق بھی انہوں نے اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ۔

نفاق اور منافقین:

اسلام کے سیاسی اور مادی اثر و اقتدار سے اسلامی مملکت میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اسلام کو قبول تو کر لیا تھا مگر اس کے اخلاق و معاملات اور قلب و دماغ پوری طرح اسلام سے متاثر نہیں ہو سکے تھے ان میں حقیقی ایمان کی شان پیدا نہیں ہوئی تھی خود مسلمانوں کی نئی نسل میں بکثرت ایسے افراد تھے جو جاہلی اثرات سے پاک نہیں ہوئے تھے۔ اسلام سے ان کو گہرا تعلق اور زندگی میں احکام الہٰی کے سامنے انقیاد و تسلیم کی خو پیدا نہیں ہوئی تھی ۔ ان میں خاصی تعداد

میں رہا بالخصوص حکومت کے طبقہ اور امراء تو ایسے لوگ تھے جن میں قدیم منافقین کے اخلاق و اعمال اور ان کے ذہن و مزاج کا پرتو نظر آتا تھا یہی لوگ بالعموم زندگی پر حاوی تھے، درباروں میں، کلیدی جگہوں پر فوج میں بازاروں میں انہی کا غلبہ تھا۔ انہی کا طرزِ زندگی سوسائٹی میں فیشن کی حیثیت رکھتا تھا۔

بعض حضرات کا خیال تھا کہ نفاق ایک وقتی اور مقامی بیماری تھی جو عہدِ رسالت میں مدینہ طیبہ کے مخصوص حالات کی بنا پر پیدا ہو گئی تھی۔ اسلام کے غلبہ اور کفر کی مغلوبیت کے بعد وہ ختم ہو گئی اس لئے کہ دونوں قوتوں کی کشمکش جاتی رہی اور صرف اسلام باقی رہ گیا اس لئے قدرتی طور پر کسی ایسے گروہ کے پیدا ہونے کا موقع نہیں رہا جو ان دونوں کے درمیان متردد اور مذبذب رہے اور کسی ایک کا وفادار اور مخلص رفیق نہ بن سکے اب تو یا تو کھلا ہوا کفر ہے یا علانیہ اسلام ان دونوں کے درمیان تذبذب کی کوئی وجہ نہیں، تفسیر و تاریخ میں اس خیال کے اثرات ملتے ہیں۔

ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ نفاق فطرتِ انسانی کی ایک کمزوری اور بیماری ہے جو اسی کی طرح پرانی اور عام ہے اس بیماری کے پیدا ہونے کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اسلام اور کفر کی دو طاقتیں میدان میں موجود ہوں اور ان میں کشمکش جاری ہو، خالص اسلام کے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں بھی ایک ایسا گروہ پیدا ہو جاتا ہے جو کسی وجہ سے اسلام کو ہضم نہیں کر پاتا اسلام اس کے دل و دماغ میں گھر نہیں کر سکتا لیکن اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کا انکار اور اس سے لاتعلقی کا اظہار کر سکے یا اس کے مفادات اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان فوائد سے دستبردار ہو جائے جو اسلام کے انتساب سے اس کو کسی اسلامی سلطنت یا مسلم سوسائٹی میں حاصل ہیں۔ اس لئے وہ ساری عمر اس دو عملی اور تذبذب کی حالت میں رہتا ہے اس کی نفسی کیفیات اس کے اعمال و اخلاق اس کی اخلاقی کمزوری، اس کی مصلحت شناسی، موقع پرستی، زندگی سے لطف اندوزی کا جذبہ، دنیاوی انہماک، آخرت فراموشی، اہلِ اقتدار کے سامنے روباہ مزاجی اور کمزوروں اور غریبوں پر دست درازی منافقین اولین کی یاد تازہ کرتی ہے۔

نفاق اور منافقین کی نشاندہی:

حضرت حسن بصریؒ کی بہت بڑی دینی ذہانت تھی کہ انہوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ نفاق موجود اور زندہ ہے اور منافقین نہ صرف موجود بلکہ زندگی پر اثر انداز اور سلطنت میں دخیل ہیں اور انہیں سے شہروں میں چہل پہل ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے

فرمایا:

"خدا کی شان ہے اس اُمت میں کیسے
کیسے منافق غالب آگئے ہیں۔ جو پرلے
درجے کے خود غرض ہیں۔"

یعنی حکومت میں وہ عنصر موجود ہے جو اسلام اور مسلمانوں کا مخلص نہیں اور جس کو اپنے اغراض اور منافع سے دلچسپی ہے۔

حسن بصریؒ کی دعوت و اصلاح کی طاقت وتاثیر میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ انہوں نے زندگی کا ایک سرا پکڑ لیا اور سوسائٹی کی اصل بیماری کی طرف توجہ کی۔ ان کے زمانے میں بہت سے واعظ اور داعی تھے لیکن اس زمانہ کے معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا جس طرح حسن بصریؒ کے وجود اور ان کی دعوت کو محسوس کیا۔ اس لئے کہ ان کی تقریروں اور ان کے درسوں سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر تنقید ہوتی تھی۔ وہ نفاق کی حقیقت بیان کرتے تھے اور نفاق ایک مرض تھا جو اس سوسائٹی میں پھیل رہا تھا۔ وہ منافقین کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے تھے اور یہ اوصاف و اخلاق بہت سے لوگوں میں پائے جاتے تھے جو حکومت، رفوح، اور تجارت میں پیش پیش تھے۔ اور زندگی میں نمایاں تھے۔ وہ آخرت فراموشی اور دنیا طلبی کے بحران کی مذمت کرتے تھے اور بکثرت لوگ اسی وبا کا شکار تھے۔ وہ موت اور آخرت کی تصویر کھینچتے تھے اور ان حقیقتوں کو مستحضر کراتے تھے۔ اور مترفین اور غافلین کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا تھا جس کی زندگی ان حقائق کو بھلائے رکھنے میں تھی۔

غرض ان کی دعوت ان کے مواعظ اور ان کے اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اس طرح متصادم تھے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کے لئے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہوگیا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر پچھلی زندگی سے تائب ہوتے تھے۔ اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے وہ اپنی تقریروں اور مجلسوں سے دین و ایمان کی دعوت بھی دیتے تھے اور اپنی صحبت اور عمل سے نفوس کی تربیت اور تزکیہ بھی کرتے تھے۔ ساٹھ سال کی طویل مدت انہوں نے اس دعوت و اصلاح میں گذاری۔ کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ کتنوں کو ان کی وجہ سے حلاوت ایمان اور حقیقت اسلام نصیب ہوئی۔ عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ حسنؒ نے ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا جو انبیاء کرامؑ (ختم نبوت سے پہلے) اپنی امتوں میں کرتے تھے

حسن بصریؒ کی وفات اور ان کی مقبولیت:

اس خلوص دینی انہماک اور علمی روحانی کمالات کا اثر یہ تھا کہ سارا بصرہ ان کا گرویدہ تھا۔ ۱۱۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو سارے شہر نے ان کے جنازہ کی مشایعت کی اور بصرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ پوری آبادی کے قبرستان چلے جانے کی وجہ سے اس روز شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں ہوسکی۔ حسن بصریؒ کے بعد ان کے روحانی جانشینوں نے اور اپنے اپنے زمانہ کے داعیوں نے دعوت الی اللہ، دعوت آخرت اور دعوت ایمان و عمل کا تسلسل جاری رکھا۔

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

کے دورہ کی

رپورٹ

ڈاکٹر عظمت

۹ نومبر کا دن میری زندگی کے اُن خوش قسمت دنوں میں سے ایک تھا جب میں نے اللہ کی راہ میں اہل دل حضرات کے ساتھ چند دن رہنے کے لئے گھر کو خیرباد کہا تھا۔ مغرب کی نماز سے تھوڑی دیر پہلے میں کھاریاں چھاؤنی میں حاجی فرید صاحب کے مکان پر دوسرے ساتھیوں کے ساتھ حضرت المکرم کی آمد کا منتظر تھا۔ بے تابی کا عالم تھا اور فون پر یہ پوچھا جا چکا تھا (کہ) حضرت منارہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ بالآخر جب مغرب کی اذانیں شروع ہوئیں تو ساتھیوں نے نمازِ مغرب ادا کی ابھی نوافل پڑھ رہے تھے کہ حضرت ہمراہ حافظ عبدالرزاق صاحب تشریف لے آئے۔ حضرت کو چند مجبوریوں کے تحت براستہ خوشاب آنا پڑا جس کی وجہ سے تاخیر ہوگئی۔ آتے ہی نماز ادا کی اور اس کے بعد ہی صحبت شیخ کا فیضان شروع ہوا۔ آپ کے چہرے پر لمبے سفر کی تھکاوٹ کے اثرات نہ انداز گفتگو میں کسی تکان کے آثار۔ ساتھیوں کے سوالات کے مفصل اور مُدلّل جواب آتے رہے۔ اثنائے گفتگو لاہور میں کل پاکستان سُنّی کنونشن کی بابت بتایا کہ یہ بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا۔ شیعہ حضرات کے متعلق جو مطالبات مختلف مکتبہ فکر کے سُنّی عالموں نے پیش کئے تھے اُن پر تفصیلاً روشنی ڈالی۔ احباب کے سوال کرنے پر کہ حضرت نے خود کیا تجویز پیش کی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تو سیدھی سیدھی بات کی کہ ان کو صرف کافر منوانا ہی کافی نہیں کافر تو پہلے ہی ہیں کوئی مانے یا نہ مانے بلکہ ضروری یہ ہے کہ مسلمان کو یہ بتلایا جائے کہ یہ صرف کافر ہی نہیں بلکہ دشمن اسلام ہیں۔ کافر تو چین میں رہنے والے بھی ہیں۔ کافر تو جاپان والے بھی ہیں کافر تو جنوبی افریکہ میں بھی ہیں۔ یورپ میں بھی ہیں لیکن یہ سب کافر اپنی عبادات کرتے ہیں اپنے کفریہ عقائد رکھتے ہیں۔ بعض اسلام سے عناد رکھتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی اپنے عقائد

اپنے رسم و رواج اپنے اس طریقہ زندگی کو اسلام کا نام نہیں دیتے۔ جبکہ رافضیوں نے عقائد تو کافرانہ رکھے رسم و رواج تو مشرکانہ رکھے طریقہ زندگی اسلام کی عین ضد پر وضع کیا اور پھر اس پر نام اسلام رکھا۔ اپنی عبادات کا نام بھی نماز، وضو روزہ۔ زکوٰۃ رکھا اور اسلام کے مقابلے میں ایک نیا اسلام اور اس کی ہر ہر عبادت کے تقابل میں اپنی عبادات وضع کیں اور اس گھناؤنی سازش سے دینِ اسلام کو مسخ کرنے کی وہ کوشش کی جو کوئی اور کافر ریاست یا مشرک فرقہ نہ کر سکا حتیٰ کے اسلامی فقہ کے بالمقابل اپنی من گھڑت فقہ تشکیل کی اور اس میں جو بین الاقوامی برائیاں تھیں ان کو دین بنا کر پیش کیا۔ دنیا بھر کی خرافات اکٹھی کیں اور پھر ان خرافات کو ایک اسلامی ریاست میں نافذ کرنے کا نہ صرف مطالبہ کیا بلکہ پوری قوت کے ساتھ اس کے نفاذ کے حق میں جلوس بھی نکالے اور حکومت پر دباؤ بھی ڈالا۔ ان حالات میں ہمیں مسلمانوں کو بتانا ہو گا کہ یہ سبائی ٹولا اسلام کا دشمن ہے۔ صحابہؓ کا دشمن ہے نعوذ باللہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد سب صحابہؓ مرتد ہو گئے بغیر پانچ کے۔ اب

دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری زندگی جزیرۃ العرب سے باہر تشریف لے کر نہیں گئے۔ ۲۳ برس کی کوششوں میں جو جماعت انہوں نے ترتیب فرمائی وہ ساری کی ساری مرتد ہو گئی اور پھر اسی جماعت نے دین ساری دنیا میں پھیلایا۔ آج جہاں میں اور آپ بیٹھے ہیں اس خطہ کو لے لیجئے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے اور جو دین پہنچا وہ ان ہی ہستیوں کی وساطت سے پہنچا جن کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ترتیب فرمائی تو اگر نعوذ باللہ وہ سب کافر ہو گئے تھے تو جو دین انہوں نے دنیا پر پھیلایا نعوذ باللہ وہ بھی کفر تھا تو مطلب یہ ہوا کہ ان شیعہ حضرات کے عقائد کے لحاظ سے دینِ اسلام کبھی پھیلا ہی نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن پورا کئے بغیر ہی اس دنیا سے پردہ فرمایا اور بجز ایک مطلب پرست لوگوں کے ٹولے کے جو آپؐ کی وفات کے فوراً بعد مرتد ہو گیا اور کچھ بھی نہ کیا۔ لوگو یہ اتنی بڑی سازش ہے اسلام کے خلاف کہ جس نے امام الانبیاءؐ کے مرتبہ اور تقدس کو پامال کیا صحابہؓ کی عظمت کو مجروح کیا اور جب یہ دو اس کی زد سے محفوظ نہ رہ سکے تو اسلام کیسے رہ سکتا ہے کیونکہ

اسلام تو نام ہی اُن تعلیمات کا ہے جو نبی آخر نے صحابہ کو سکھلائیں اور پھر اُن متبرک ہستیوں نے ساری دنیا کو بتلائیں تو یہ رافضی صرف کافر نہیں ہیں بلکہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

ان کی کوششیں ساری کی ساری دینِ اسلام کے خلاف ہیں تو اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے میرے پاس ایک تجویز ہے وہ یہ کہ ہمسایہ ملک میں اِن حضرات کی فقہہ نافذ ہے ان کے مذہبی متبرک مقامات بھی وہاں ہی ہیں جن کی زیارت کے لئے اِن کو وہاں جانا پڑتا ہے تو ان کی سہولت اور ہماری بھلائی بھی اسی میں ہے کہ اُس مُلک کی حکومت کے ساتھ بات طے کر لیتے ہیں کہ اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو آپ لے لو اور اُس ملک میں جو مسلمان ہیں اُن کو ان کے بدلے میں ہمارے ملک میں بھیج دو۔ یہ اپنی فقہہ کے مزے وہاں لوٹیں اور ہم بھی یہاں چین سے دینِ اسلام کا نفاذ کر سکیں۔ اس پر اِن حضرات کو بھی پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔

اور اگر یہ ان کو قابلِ قبول نہیں اور مطالبہ بھی یہ ہی رہتا ہے کہ اس ملک میں جہاں ہم مسلمان رہتے ہیں جس کی زمین کی قیمت مسلمانوں کے خون کی صورت میں دے کر حاصل کی گئی ہے ان کی فقہہ نافذ کی جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کے عزائم سوائے فساد کے اور کچھ نہیں اور یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ یہ اس ملک میں سوائے انتشار کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ مسلمانو ہوش کرو اپنے دشمنوں اور اُن کے عزائم سے باخبر رہو اگر لوگ سوئے رہے تو یہ لوگ تو شروع سے ہی چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام کہیں نافذ نہ ہو اور اگر آپ کی غفلت سے یہ لوگ کامیاب ہو گئے تو تقدیر کبھی آپ لوگوں کو معاف نہیں کرے گی۔ کھاریاں چھاؤنی میں حاجی زید صاحب کے گھر کا یہ حصہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور محویت کا یہ حال تھا کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا سب حضرت المکرم کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اپنے اندر جذب کرنا چاہتے تھے کہ حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ کافی دیر ہو گئی ہے تھوڑا سا ذکر نہ کر لیں۔ وہیں صفیں بن گئیں اور سب لوگ قبلہ رو بیٹھ گئے ظاہری تعلیمات کے بعد اب باطن کی باری تھی اور ہر کسی کو علم تھا کہ یہ دولت اس محفل میں لٹائی جاتی ہے اور لٹائی گئی خوش قسمت تھے وہ لوگ جن کو توجہ شیخ ملی۔ ذکر کے بعد عشاء کی نماز پڑھی گئی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی پھر نہ چاہتے ہوئے لیکن محسوس کرتے ہوئے کہ حضرت کئی گھنٹے کی مسافت طے کر کے آئے ہیں اور گاڑی

بھی خود ہی چلاتے رہے ہیں اب اُن کو آرام کی ضرورت ہے احباب، وہاں سے رخصت ہوئے۔ تہجد کے معمول میں پھر وہی نعمتِ عظمیٰ جیسے لوگ ساری زندگی تلاش کے باوجود حاصل نہ کر سکے ان خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں آئی۔ جو وہاں اسی نیت سے آئے تھے

نمازِ فجر

کے بعد درس قرآن پاک ہوا اور جب بھی حضرت کا درسِ قرآن ہوتا ہے مجھے بڑے حضرت جیؒ کا وہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ منارہ میں سالانہ اجتماع تھا ۱۹۸۲ء۔ حضرتؒ کو زکام کا زور تھا نمازِ فجر کے بعد حضرتؒ کے کمرہ کے دروازے کے ساتھ سب لوگوں کا ہجوم تھا اور درسِ قرآن ہونا تھا۔ حضرتؒ کے کمرہ کے اندر حسبِ معمول کوئی نہ تھا سوائے ملک احمد نواز صاحب کے جو انتہائی خوش قسمت ہیں کہ حضرتؒ کی خدمت دمِ واپسیں تک ان کے ہی حصہ میں رہی۔ یا پھر میں بیٹھا ہوا تھا کیونکہ حضرتؒ کا بخار چیک کیا تھا اور انہوں نے اُدھر ہی روک لیا۔ درس قرآن کی آواز کمرہ کے اندر صاف آرہی تھی۔ مکمل سکوت تھا۔ قرآنی آیات کی وجدانی تشریحات جاری تھیں سب اُس میں محو تھے کہ حضرتؒ ایک آیت کی تفسیر پر بے اختیار بول اُٹھے

"قرآن کی تشریح اکرم پر ختم ہے"

اور یہ الفاظ نہیں تھے حقیقت تھی کیونکہ حضرتؒ جب یہ کہہ رہے تھے تو یہ بیان یا بات نہیں تھی، اس میں وہ ساری محبت، شفقت جو کسی بھی والد کو اپنی اولاد سے ہو سکتی ہے تو تھی ہی لیکن جو اصل تھا وہ اُن کے چہرے پر وہ اطمینان اور لہجے میں وہ سکون تھا جو کوئی اُستاد اُس وقت محسوس کرتا ہے جب اُس کا شاگرد اُن توقعات پر پورا اُترے جو اُس نے اُس سے وابستہ کی ہوتی ہیں۔ یہ ایک سند تھی جو حضرت مولانا اکرم مدظلہٗ کو اُس یونیورسٹی سے ملی تھی جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے اُس وقت تک ۳۲ برس شب و روز محنت کر کے حاصل کی تھی۔ اس سند کے عطا ہونے کے بعد سے اب تک جب بھی اور جہاں بھی حضرت مولانا صاحب کا درسِ قرآن ہوتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے میں وہاں موجود ہوں تو اوروں کا تو علم نہیں لیکن اپنی محویت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کب درس شروع ہوا کتنی دیر جاری رہا کا احساس تک نہیں ہوتا۔ احساس صرف اُس وقت ہوتا ہے جب حضرت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طوفان تھا جو یکبارگی رُک گیا۔

ایک سیل رواں تھا جو تھم گیا ایک محویت کا عالم تھا جو دفعتاً ٹوٹ گیا غرض مختصراً ان کیفیات کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔

غرض درس ختم ہوا لوگ چونکے حاجی فرید صاحب فوراً چائے کے لئے لپکے۔ چائے کا دور ہوا اور اس کے بعد یہ مردان حق اللہ کا دین لوگوں تک پہنچانے کے لئے پھر تیار تھے۔ اسے سعادت کے علاوہ صرف حضرت کی شفقت کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی گاڑی کی چابیاں مجھے دے کر کہا کہ اب گاڑی تم ہی چلاؤ گے۔ ہم گاڑی میں بیٹھ گئے ملنے والے ایک ایک کر کے ملتے اور ایک طرف کھڑے ہوتے جاتے۔ ہر آنکھ میں محبت تھی عقیدت تھی اور اپنے اس سالار قافلہ پر اعتماد تھا۔ ان ہی نگاہوں کی خاموش دعاؤں کے سائے میں ہم گجرات کی طرف چلے جہاں ہم نے امان اللہ ملک صاحب کے ہاں ناشتہ کرنا تھا۔ وہاں پہنچنے پر لوگ موجود تھے ناشتہ ہوا۔ تھوڑی دیر آرام کے بعد ضلع سیالکوٹ کا دورہ شروع کرنے کے لئے سب پھر گاڑی میں سوار تھے گاڑی میں ہی چلا رہا تھا۔

بیگووال

موضع میں بعد از نماز ظہر حضرت المکرم کا بیان تھا ہم ظہر سے پہلے تقریباً ۱۲ بجے دوپہر کو وہاں پہنچے۔ پورے گاؤں میں عجیب سماں تھا گاؤں کے لوگ گاؤں سے باہر چشم براہ تھے بڑے چھوٹے زمیندار مزدور ہر کوئی انتظار میں تھا۔ گاڑی کا رکنا تھا کہ ایک جم غفیر نے گاڑی کو گھیر لیا ہر کوئی حضرت سے ملنے میں دوسرے پر سبقت لینا چاہتا تھا اور حضرت اپنے مخصوص انداز میں مسکرا مسکرا کر ان سے مل رہے تھے جب سب مل چکے تو یہ قافلہ گاؤں کی مسجد کی طرف روانہ ہوا میں لوگوں کی گہماگہمی میں خاصہ پیچھے رہ گیا تھا لیکن حضرت کا طویل القامت جسم اتنے ہجوم میں بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ گاؤں میں عید کا سا سماں تھا لوگ مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ایک جھلک کے منتظر تھے۔ اتنی پیشوائی اور محبت کا یہ سماں دیکھ کر دل بھر آیا اور بے اختیار آنسو امڈ آئے۔ اتنی عقیدت اتنی محبت اس طرح دلوں سے پذیرائی اہل اللہ ہی کا خاصہ ہے یہ بات بالکل سچ ہے کہ بڑے سے بڑا سلطان لوگوں کے جسموں پر تو حکومت کر سکتا ہے دلوں پر حکومت اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اپنے بندوں کے لئے مختص کر دی ہے۔ جیسے یہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوئے مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی کافی لوگ باہر مسجد کے

صحن میں بیٹھ گئے ۔ ایک بجے کے قریب حضرت نے اپنا بیان پنجابی میں شروع کیا ایک بیان کی روانی دوسرے پنجابی زبان تیسرا موضوع بیان اور اس پر حضرت کا بے تکلف انداز ۔ وقت رک گیا بات چلتی رہی ۔ دل و دماغ حضرت کے بیان کے اُتار چڑھاؤ کے اسیر ہو گئے ۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے بھری محفل پر جادو کر دیا ہے کوئی شور کوئی آواز کسی کونے کھدرے سے نہ آئی ۔

جب تقریر ختم ہوئی تو لوگ ہوش میں آئے گھڑی پر دیکھا ۲ بج کر بیس منٹ سے بھی کچھ اوپر ٹائم ہو رہا تھا فوراً لوگوں نے وضو کیا نماز ظہر ادا کی ۔ محفلِ ذکر ہوئی اس محفل کی کیفیات صرف وہ ہی محسوس کر سکتا ہے جو کبھی اس محفل میں بیٹھا ہو ۔ اس کے بعد خوش نصیب حضرات ظاہری بیعت سے مشرف ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں استقامت نصیب فرمائے آمین ۔ حضرت حافظ عبد الرزاق صاحب باہر صحن میں بیٹھ گئے لوگوں کے سوالات کے جواب دیتے رہے ۔ مسائل بتلاتے رہے عصر سے پہلے حضرت نے اِن اللہ کے طالب اور پیکر محبت دا خلاق انسانوں سے اجازت لی سب لوگ گاؤں سے باہر تک حضرت کو چھوڑنے کے لئے آئے ۔ سب رسولِ پاک کے دامانِ رحمت کے متلاشی تھے اور سب کو احساس بلکہ یقین تھا کہ یہ ہستی ان کو وہاں تک لے جاسکتی ہے حضرت کی گاڑی چل دی گاڑی میں ہی چلا رہا تھا ۔ اور عقبی آئینے میں لوگوں کا یہ گروہ دور ہوتا چلا گیا لیکن دل کی دھڑکنیں ان فاصلوں پر محیط ہیں اور وہ ساتھ ہی دھڑکتی رہیں اور انشاءاللہ دھڑکتی رہیں گی روحانی فیض اِن ہی دھڑکنوں سے حاصل ہوتا ہے اور فاصلے ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔

عصر سیالکوٹ میں

حاجی حبیب الرحمٰن صاحب کے گھر میں ادا کی ۔ مغرب تک آرام کیا اور پھر مغرب کے بعد حضرت کا بیان اور محفلِ ذکر ہوئی ۔ بیان کا خلاصہ کچھ یوں ہے اس دفعہ بہت بڑا اجتماع ہوا ۔ لاہور میں سُنی کنونشن کے نام سے آپ حضرات نے بھی سنا ہوگا کچھ تو اخبارات کا محتاط رویہ اور کچھ ہمارے ذرائع ابلاغ جو ہیں وہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جو اس طرح کی خبریں دینا بھی نہیں چاہتے اس لئے میں نے سوچا کہ وہاں جو کچھ ہوا اس میں آپ لوگوں کو بھی شریک کر لوں ۔ اس کنونشن کے منعقد کرنے کا سبب یہ تھا کہ ہمارے ملک کی ۲٪ آبادی شیعہ حضرات

کا نہ صرف اصرار بلکہ اُس کے حق میں طاقت کا استعمال کہ اُن کی فقہہ جسے فقہہ جعفریہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اِس ملک پر نافذ کی جائے اس تحریک کے دفاع میں ایک ملکی سطح پر علماء کا اجتماع تھا اور اس میں علماء نے جو متفقہ فیصلہ کیا وہ یہ تھا کہ حقیقتاً اہلِ تشیع مسلمان ہیں ہی نہیں نہ اُن کا دین اسلام ہے نہ اُن کے عقائد اسلامی ہیں نہ اِن کے اعمال اسلامی ہیں اور نہ یہ مسلمان ہیں اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر ان کے نظریات کو ایک اسلامی مملکت میں قانونی حیثیت دینے کا مطلب ہی کیا۔ جب میری باری آئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات نے قرار دادیں پاس کیں کہ یہ کافر ہیں اللہ کا شکر ہے کہ آپ لوگوں کو احساس ہو گیا کہ یہ کافر ہیں ورنہ کافر تو یہ اُس وقت سے ہیں جب سے یہ فرقہ بنا تھا۔ بلکہ یہ فرقہ بھی نہیں ہے خلافِ اسلام ایک تحریک ہے جس کی پہلی اینٹ ہی کفر پر اور اسلام دشمنی پر رکھی گئی ہے اور اِن کی اسلام دشمنی دوسرے کافروں کی نسبت کہیں زیادہ ہے یہ عام کافر نہیں ہیں۔ عام کافر تو ہندو بھی ہیں نصرانی بھی ہیں یہودی بھی ہیں یہ سب اسلام کے مقابلے میں کوئی نیا اسلام بنا کر اسلام کے نام پر پیش نہیں کرتے یہودی اپنی یہودیت کی بات کرتا ہے نصرانی اپنی نصرانیت کی بات کرتا ہے ہندو اپنے ہندو پن کی بات کرتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ کہے کہ اسلام کی نسبت ہمارا مذہب بہتر ہے لیکن مقابلے میں کوئی اسلام گھڑ کر پیش نہیں کرتا کہ جو آپ کے پاس ہے وہ اسلام صحیح نہیں ہے صحیح اسلام یہ ہے تو اس طرح سے اِن شیعوں کے لئے دو راستے رہ جاتے ہیں یا تو یہ توبہ کر لیں اور ان خرافات سے باز آئیں اور اپنے آپ کو دائرہ اسلام کے اندر لے آئیں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر حکومت یا حاکم کا فرض ہے کہ انہیں مرتد قرار دے تیسرا تو کوئی راستہ نہیں کیونکہ ایک اسلامی ریاست میں دو اسلام تو رہ نہیں سکتے۔ اب یہ دونوں کام ہی مشکل ہیں ان سے توبہ کی اُمید بھی نہیں اور اتنی مخلوق کو قتل کرنا بھی کوئی مناسب بات معلوم نہیں ہوتی تو میں نے اس اجلاس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر آپ حضرات متفق ہوں تو حکومت سے کہیں کہ جب اِن کا تیرھواں امام آگیا ہے ایران میں اور یہ یہاں سے روز پاسپورٹ لے کر اور خرچ کر کے زیارتیں کرنے جاتے ہیں اور وہاں سے حق لاتے ہیں اور اُس پر یہاں سجدہ کرتے ہیں تو آپ ایسا کریں کہ اِن سب کو بھیج

بھیج دیں اور وہاں مسلمان بڑے تنگ ہیں اُن کو یہاں لے آئیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے ذرائع ابلاغ پر ان کا کنٹرول ہے ریڈیو ٹیلیویژن پر یہ مسلط ہیں اخبارات انہوں نے خریدی ہوئی ہیں تو اس لئے ایسی باتیں اِن ذریعوں سے تو پہنچ نہیں سکتیں تو میں نے کہا کہ آپ کو بھی اس میں شریک کر لوں جو کچھ ہم نے وہاں دیکھا سنا اور کہا۔

تصوّف

یہ ہماری جو کوشش اللہ اللہ کی اور تصوف کی ہے یہ کوئی رہبانیت کا شعبہ نہیں ہے۔ ہمارا منشاء۔ اس سے یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی وہ برکات آئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابہ کرامؓ میں آئی تھیں اور ان کا کوئی شمہ اپنی حیثیت کے مطابق ہمیں بھی نصیب ہو۔ جس طرح اسلام کے احیا کے لئے انہوں نے خدمات انجام دی تھیں اُن کا اپنا معیار تھا ہم اپنی حیثیت کے مطابق تو اس خوشبو کو جہاں تک ہم لے کر پہنچ سکیں پہنچائیں اور اس کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں اُن کا مقابلہ کریں۔ حق کو ثابت کریں کہ حق یہ ہے اور باطل یہ ہے

ہمارا اللہ اللہ کرنے کا اور مراقبات کرنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ ہم ایک عضوِ معطل ہو کر رہ جائیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم میں وہ جذبہ وہ ولولہ وہ ایثار اور احقاقِ حق کی وہ قوت پیدا ہو کر ہم دینِ حق کے لئے زندگی کو وقف کر دیں اور ہمارا مرنا جینا سونا جاگنا ہماری کوشش و محنت اللہ کے دین کو پہنچانے اور باطل کے مقابلے میں صرف ہو۔" رات کھانے کے بعد حضرات دیر تک بیٹھے رہے اور صحبت شیخ سے فیضیاب ہوتے رہے صبح تہجد کا معمول گھر پر ہوا اور نمازِ فجر اس محلے کی جامع مسجد میں ادا کی نماز کے بعد حضرت کا سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر بیان ہوا ایک تو ہوں اللہ اور رسولؐ کے دیوانوں میں پھر بات اُس کی ہو جس پر دو فریفتہ ہوں تو بات بھی نکلی دِل کی گہرائیوں سے خلوص کے ساتھ نکلی۔ اس میں حضورؐ کی تعلیمات پر مفصل ذکر ہوا۔ اُن برکات کا جو حضورؐ کی صحبت میں تھیں اور اب تک بٹتی چلی آرہی ہیں ذکر جب چلا تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو نمناک نہ ہوگا ہو کوئی دل ایسا نہ تھا جو پگھل نہ گیا ہو کوئی فرد ایسا نہ تھا جو کانپ کانپ نہ گیا ہو۔ بیان میں بلا کی تھی پیار تھا محبت تھی۔ شفقت تھی التجا تھی کرب تھا معاشرے کی حالت پر اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری پر۔ خلوص تھا۔ اثر تھا۔ سحر تھا۔

جب بیان ختم ہوا تو ہر کوئی محسوس کرتا تھا کہ بیان تشنہ رہ گیا ہے کہ ساری عمر کے بعد تو ادب کو ان کی غذا ملی اور وہ بھی اتنی قلیل، دامانِ رسولؐ سے پیوستگی نصیب ہوئی کسی اہل اللہ کی باتوں سے تو وقت کی رفتار کتنی تیز ہو گئی پل میں گزر گیا۔

وہ لوگ جو حاجی صاحب کے گھر سے واقف ہیں جانتے ہیں کہ ان کا گھر سیالکوٹ چھاؤنی کے علاقہ میں ہے اس لئے نماز میں کافی تعداد فوجی حضرات کی تھی میں بھی کیونکہ خاصی دیر فوج میں رہ چکا ہوں اس لئے پہچان میں آسانی رہتی ہے - دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میرے آگے آگے دو میجر صاحبان جا رہے تھے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اب تک مولویوں کا وعظ سننے آتے ہیں آج کسی صاحبِ دل اور اللہ والے کا سننے کا اتفاق ہوا تو مزہ آگیا - دوسرا بولا شام کو مسجد میں اعلان ہوا تھا کہ حاجی حبیب الرحمان صاحب کے گھر کوئی مولانا آرہے ہیں اگر معلوم ہوتا کہ اس پائے کے آدمی ہیں تو ضرور ان کے پاس بیٹھتے اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے - اللہ جانے کیا اثر رکھ دیا ہے اپنے بندوں کے کلمات میں کہ سارا دن گولہ بارود سے کھیلنے والے اور فولاد کا سا دل رکھنے والے جوانانِ افواج بھی عشقِ الٰہی اور محبت رسولؐ کے لئے اپنا دل کھول کر رکھ دیتے ہیں

ظہر کی نماز

کے بعد سیالکوٹ سے ڈسکہ کے لئے روانہ ہوئے عصر ڈسکہ میں پڑھی متلاشیانِ حق کا ایک ہجوم تھا جو منتظر تھا ایک جوش و خروش تھا راستہ دکھلانے والا شخص دنیا سے بے نیاز حضرت کی گاڑی کے آگے آگے دوڑ رہا تھا راستہ بناتا ہوا راستہ بتلاتا ہوا وہ اسی طرح کوئی تین فرلانگ تک گاڑی کے آگے ہی آگے رہا ایک گلی سے دوسری گلی میں حتیٰ کہ جائے قیام پر پہنچا یہ کون سی چیز ان کو بھگائے لئے جا رہی ہے بھری پری سڑکوں پر دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز کر کے اس بھاگنے کو سعادت سمجھتے ہوئے - یہ صرف وہ ہی سمجھ سکتے ہیں جن کو کوئی حصہ معرفتِ باری کا کسی ہستی کے طفیل نصیب ہوا ہو اس کی قدر و قیمت وہ ہی جانتے ہیں جو اس ہستی کی پہچان رکھتے ہیں جو اس گاڑی میں تشریف رکھتی ہے غرض مغرب تک صحبتِ شیخ خوش نصیبوں کے حصے میں آئی مغرب کی نماز علاقہ کی زیر تعمیر جامع مسجد میں ادا کی اس کے بعد حضرت کا بیان ہوا حضرت کے بیان کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے -

کوئی بھی نووارد جو اس دنیا میں آتا ہے وہ اپنے سے پہلے والوں سے سیکھتا ہے - تجربہ کیا گیا کہ ایک بچہ کو لوگوں سے الگ رکھا گیا تو کچھ

عرصہ بعد یہ دیکھا گیا کہ وہ مطلقاً کلام کر ہی نہیں سکتا تھا حاصل یہ ہے کہ بات چیت تک بھی انسان اپنے سے پہلے والوں سے سیکھتا ہے اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ پنجابی کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ پنجابی عربی بولنے والوں کے گھر میں پیدا ہونے والا عربی اور انگریزوں کے گھر میں پیدا ہونے والا بلا تکلف انگریزی زبان بولتا ہے اسی طرح سے زندگی گزارنے کے لئے انسان اپنے سے پہلے والوں کی طرف دیکھتا ہے اور اسی طرز پر زندگی گزارتا ہے لیکن زندگی گزارنے میں اللہ نے انسان کو بے بس نہیں چھوڑا بلکہ ہر زمانے میں ہر قوم کی طرف ہر ملک میں اپنے رسول مبعوث فرمائے جو ان کو زندگی گزارنے کا طریقہ بتلاتے بھی تھے اور سکھلاتے بھی تھے تو جن لوگوں نے ان کی بات مانی اُن کی یہ دنیاوی زندگی بھی آرام سے گزری اور اخروی زندگی میں ابدی خوشیاں انعام میں عطا ہوئیں اور جنہوں نے یہ طریقہ زندگی نہ اپنایا انہوں نے دنیا میں بھی مشکلات اٹھائیں ۔ اور اخروی زندگی میں بھی سوائے خسارے کے کچھ ہاتھ نہ آیا ۔

یہ یاد رہے کہ جو عقیدہ حضرت آدم علیہ السلام لے کر آئے وہ ہی عقیدہ حضرت محمد رسول اللہ لے کر آئے اللہ کے بارے میں آخرت کے بارے میں جنت دوزخ کے بارے میں ملائکہ کے بارے میں غرض کہ تمام عقائد سارے انبیاءؑ کے ایک ہی تھے اور ان ہی کا وہ ساری زندگی پرچار کرتے رہے ۔ اللہ رب العالمین ہے اور رب اُسی کو کہتے ہیں جو ہر ضرورتمند کی ہر ضرورت کو ہر وقت جانتا ہو اور اس کی ہر ضرورت ہر جگہ پوری کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو مثلاً بیماری آج دریافت ہوتی ہے لیکن اللہ رب العزت نے اس کی شفا کا سامان پہلے ہی اس کائنات میں رکھ دیا ہے اسی طریقہ سے قیامت تک جو ضرورتیں بنی نوع انسان کو پیش آسکتی ہیں ان کا سلسلہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات میں بکھیر دیا ہے ۔ اللہ جانتا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب انسان کے ذرائع آمد و رفت اتنی ترقی پالیں گے کہ صبح کو ایک ملک سے چلنے والا شام ہونے سے پہلے دنیا کے ایک حصہ کا چکر لگا چکا ہوگا تو اس نے انسان کی ہر ضرورت کو ضرورت سے پہلے ہی تکمیل تک پہنچاتے ہوئے رسول بھی ایسے مبعوث فرمائے جو ساری دنیا کے سارے انسانوں کے لئے ہیں بلکہ جب تک یہ دنیا قائم ہے اور انسان اس دنیا میں بستا ہے اُن کے لئے اس نبی آخر کے طریقہ زندگی کو ماننا ہوگا ۔

آج کل کے زمانہ میں نت نئی دریافتیں ہو رہی ہیں اور بازار میں آرہی ہیں ہر دریافت کے ساتھ ایک کتابچہ Booklet ہوتی ہے اس میں اُس چیز کے استعمال کا صحیح طریقہ درج ہوتا ہے اسی طریقہ سے کائنات کے خالق نے اپنے نبی آخر کو ساری انسانیت کے لئے جب مبعوث فرمایا تو انہیں ساتھ ایک کتابچہ وہ بھی عطا کی کہ اس کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے کیونکہ جو خالق ہوتا ہے وہ ہی بہتر جانتا ہے اس تخلیق کے استعمال کا طریقہ ۔ اور اگر اس طریقہ پر عمل کیا جائے تو سہولت رہتی ہے ورنہ تکلیف ہوتی ہے اور چیز کے بگڑنے یا ضائع ہو جانے کا احتمال بھی ہوتا ہے اب جو کتابچہ Booklet یا طریقہ زندگی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سکھلایا اس میں دو چیزیں ہیں ایک معاملات دوسرے عبادات ۔ معاملات میں ہر فرد کے دوسرے فرد کے ساتھ تعلقات بیان فرمائے ۔ اور اس دنیا میں کس طریقہ سے رہنا ہے وہ سارا بتایا ۔

(باقی آئندہ)

ابو ماریہ

اللہ والوں کی باتیں

"اچھے سنگترے" - "اچھے سنگترے"

ایک پھل بیچنے والا چھابڑی لگائے صدا لگا رہا تھا۔ پاس سے اللہ کے ایک ولی اپنے مریدین کے ساتھ گزرے کان میں صدا پڑی۔ تو قدم رک گئے۔ میاں کیا کہہ رہے تھے۔ پھر سے کہو پھل والے نے صدا لگائی "اچھے سنگترے"۔ یہ سننا تھا کہ انہوں نے ایک آہ بھری اور بے ہوش ہو گئے، مریدین نے بڑھ کے سہارا دیا، کچھ دیر بعد ہوش آیا تو کہنے لگے تم نے نہیں سنا وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اچھے سنگ ترے۔ کسی اچھے کے ساتھی لگے۔ تو کامیاب ہو گئے۔ مڑ کے دیکھا تو سنگترے والا جا چکا تھا۔ خدا خبر کون تھا۔ لیکن زبان سے جو الفاظ نکلے اپنا اثر دکھا گئے (اولی راوی می شناسد)

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ زرگری صوبہ سرحد کے اجتماع سے واپس آ رہے تھے، راستے میں سسی پنوں کے واقعہ کی تاریخی حیثیت کے بارے میں بات چل نکلی کہنے لگے۔ پنوں جب بھائیوں سے آزاد ہو کر صحرا نوردی کرتے ہوئے سسی کی قبر پہ پہنچا تو بطور خرق عادت قبر شق ہو گئی۔ اور پنوں وہیں زندہ درگور ہوا اس وقت ہم نے محض اسے ایک ہلکی پھلکی گفتگو سمجھا۔ لیکن ایک ولی کامل کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اپنا اثر رکھتا ہے۔ اس کا احساس بعد میں ہوا وہ اس طرح کہ چند ہی روز بعد مرشد آباد کی حاضری نصیب ہوئی۔ مزار پہ بیٹھا، رابطہ ہوا محسوسات قدرے واضح نہ تھے۔ دل سے ایک ہوک سی اٹھی، اللہ! پنوں کا تو عشق مجازی تھا۔ لیکن اس کے لئے تو قبر شق ہو گئی لیکن یہاں یہ حال ہے کہ مزار پہ بیٹھے ہیں، حضرت المکرمؒ کی محبت بھی دل میں جاگزیں، قبر مبارک کی یہ مقدس مٹی ہمارے لئے شق نہیں ہو سکتی؟ ہمارے نصیب میں یہ خرق عادت نہ سہی لیکن روحانی حاضری کا ادراک کیوں نہیں ہو رہا۔ حضرت مولانا کی زبان سے برسبیل تذکرہ سنی ہوئی پنوں کی داستان دماغ میں گردش کرنے لگی۔ اپنی محرومی و بےکسی کا شدت سے احساس ہوا اور پھر اچانک تمام

دوریاں مٹ گئیں۔ قرب و وصل کی وہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اپنے آپ کا احساس نہ رہا اور پھر بزار سے اُم اُٹھے۔ تو وصل کی یہ کیفیت گھنٹوں برقرار رہی آنکھیں خشک ہونے کا نام نہ لیتی تھیں اور یہ آنسو جانے وفورِ محبت کے باعث تھے یا خوشی کے تھے۔ لیکن احساسِ جدائی اور دوری کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس کیفیت کا باعث ایک ولی کامل کی زبان سے سُنا ہوا ایک عام سا واقعہ تھا۔ جس نے ایک خاص وقت پر روحانی کیفیات میں مدو جزر پیدا کر دیا۔

سچ ہے اللہ والوں کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات اپنا اثر رکھتی ہے۔ بعد میں اس کا تذکرہ حضرت مولانا مدظلہ العالی سے کیا تو ان کی آنکھیں بھی پُرنم ہو گئیں۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی

وفیات

حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی ذات سے کون واقف نہیں

آپکے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد ازہر شاہ قیصر اس جہانِ فانی

سے دارِ بقا کو سُدھار گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ دوام لے آ ساقی

احباب سے گذارش ہے کہ ان کی مغفرت اور ترقیٔ درجات کے لئے دعاء کریں۔ (ادارہ)

قادری

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اسلام کے ہراول دستے، قرآن کی تیار کردہ لاثانی نسل، دین کی ابتدا اور بنیاد کیلئے اللہ نے جن لوگوں کا انتخاب فرمایا انھیں عزم حوصلہ قوت برداشت جیسی کتنی نعمتوں سے نوازا۔ انہوں نے کفار کے مظالم سہے۔ تکالیف برداشت کیں اور اپنے خون سے اسلام کے مقدس پودے کی آبیاری کی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسلمان پہلے خلیفہ کی جانی قربانیوں کا کچھ حصہ قارئین کے ایمان تازہ کرنے کیلئے پیش خدمت ہے جنت مشکلات کے پردوں میں لپٹی ہوئی ہے پڑھنے کے بعد ہم اپنا تجزیہ کریں۔ اپنے اسلام کو پرکھیں قربانیاں جنکا مطالبہ ہم سے ہمارا دین کرتا ہے ان پر نظر کریں۔ جہاں کمی ہو تو اللہ سے ان کی تلافی کیلئے دعا کریں (قادری)"

میرے آقا! اجازت ہو تو اب مشرکین کو کھلم کھلا دعوتِ حق دیجائے؟" نہیں!! اے میرے رفیق! یہ بڑا مشکل کام ہے۔ پھر چونکہ ابھی تک ہماری تعداد بہت کم ہے،" آقا نے جواباً فرمایا، لیکن اجازت طلب کرنے والے کا جذبہ، خلوص اور دین سے محبت کو دیکھتے ہوئے آخر اجازت فرمادی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کے شیدائی روئے زمین پر اڑتیس ۳۸ تھے۔ اجازت کے طلب گار۔ آپؐ کے وزیر بچپن کے ساتھی۔ دیت اور تاوان کے فیصلے کرنے والے جن کے فیصلے ہر کسی کو تسلیم تھے۔ لوگوں کے کام کرنے والے سب کے محبوب مکہ میں عزت و جاہت رکھنے والے

اشرافِ قریش میں سے ابوبکرؓ تھے جنہوں نے نہ کبھی شراب پی اور نہ ہی دورِ جاہلیت میں کسی بُت کے سامنے جھکے (ازالۃ الخفاء) بچپن سے ہی حضورؐ سے فدائیانہ محبت تھی بارہ سال کی عمر میں جب آپؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر پر جانے لگے تو حضرت صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو امیہ بن خلف سے کرایہ پر لے کر آپؐ کی خدمت کیلئے ساتھ بھیجا۔ زیتون اور ایک خاص قسم کی روٹی زادِ راہ کے طور پر ساتھ روانہ کی (خلفائے راشدین، مولینا عبدالشکور لکھنوی) حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کے نکاح میں بھی انکی کوشش شامل تھیں۔ (ایضاً) ربِ کریم نے فطرتِ سلیمہ عطا کر رکھی تھی سب سے پہلے اسلام لائے۔ کوئی معجزہ طلب کیا نہ دلیل پوچھی۔ جونہی حضورؐ نے پیغام حق سنایا سرِ تسلیم خم کر دیا ان کا اسلام قبول کرنا تھا کہ خودبخود اسلام لوگوں کی توجہ

ص۱ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں اسلام لانے میں اولیت کی فضیلت تو یہی کیا کم ہے کہ جو بھی سب سے پہلے اسلام لایا ہوگا وہ رسول خدا کی معیت میں زیادہ دیر رہنے مصائب جھیلنے اور دوسروں کے اسلام لانے کا سبب بنا ہوگا۔ ان سب باتوں میں حضرت ابوبکرؓ بھی ابتدائی چار دلا اسلام قبول کرنے والوں میں ممتاز ہیں۔

کام کر بن گیا۔ قریش کے خاص خاص لوگوں میں سے حضرت عثمان ذوالنورینؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت صدیقؓ ہی کی کوششوں سے اسلام لائے گویا مکہ کے با اثر قبائل بنی امیہ۔ بنی اسد اور بنو زہرہ کے ان اثر و رسوخ والے اشخاص کے اسلام قبول کر لینے سے کفر کی تیز دھار کند ہو گئی

آقاؐ سے علی الاعلان دین کی اشاعت کی اجازت مل جانے پر اسلام کے شیدائیوں نے مسجد الحرام کے آس پاس اپنے اپنے قبیلہ میں تبلیغ شروع کی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود قریش کے ایک مجمع سے خطاب فرمانے لگے۔ قریش کو دعوتِ توحید تو اژدھے کے منہ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھی، یارِ غار نے اس خطرے کے پیشِ نظر عرض کی "اے ہادیٔ برحق! اجازت ہو تو! یہ غلام آج اس فریضے کو ادا کرے" چونکہ حضرت صدیقؓ بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے محسنِ انسانیتؐ نے اجازت دی اور خود وہیں بیٹھ گئے، اسلام کے اس پہلے خطیب نے مؤثر انداز میں توحید کی دعوت دے ڈالی! گویا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا۔ اب کیا تھا؟ یہ لوگ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسجد الحرام کے اردگرد بھی جو مسلمان ان کے ہتھے چڑھا اسی کو مارا خود حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت تکلیف دی۔ اصل ہدف تو ابوبکرؓ تھے لہذا ان پر زبردست حملہ کیا ان کی شرافت وقار، بلند مرتبہ قبیلہ خاندان سبھی کچھ غصے میں بھول گئے بڑی ہی بے دردی سے انہیں پیٹا۔ عتبہ بن ربیع اپنے جوتے پے در پے ان کے چہرے پر مارنے لگا۔ کوئی اُن کے پیٹ پر چڑھ گیا۔ اسقدر مارا کہ چہرے سے انکی پہچان مشکل ہوگئی، اس شور شرابے کو سنکر بنی تمیم کے لوگ دوڑے آئے سب کو پیچھے ہٹایا ابوبکرؓ کی حالت دیکھی، ایک کپڑے میں لپیٹ کر انکو گھر لے گئے۔ انکی حالت سے موت کا شک ہونے لگا۔ لہذا بنی تمیم نے مسجد الحرام میں آکر اعلان کیا اگر ابوبکرؓ مر گئے! تو خدا کی قسم ہم عتبہ بن ربیع کو ضرور قتل کر دیں گے!

ابوبکرؓ کے گرد لوگوں کا ہجوم، عزیز و اقارب پریشان، باپ ابوقحافہ بیٹے پر جھکے ہوئے اپنے لخت جگر کو زور زور سے پکارتے "ابوبکرؓ آنکھیں کھولو ذرا دیکھو تو" ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی؟ کون چہرے کے دیکھے؟ مسلمان الگ پریشان ابوبکرؓ ان میں سے اکثر کے محسن اور سب کے محبوب تھے، حبیبِ خداؐ کو اپنے دوست کا غم، صبح سے شام تک یہی حالت رہی شام کو دین کے اس داعی نے آنکھیں کھولیں تو سب کو ذرا تسلی ہوئی لیکن بات کرنے کی سکت نہ تھی۔ بات کرتے

کے قابل ہوئے، ہونٹ ہلائے زبان کو حرکت دی، پوچھا" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں" قبیلے والے تو مسلمان نہیں تھے! لہٰذا سب نے طعنے دیئے، ملامت کی "یہ حشر اور پھر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خیال"! کچھ نے اُسے خاصا محسوس بھی کیا، انکی ماں سے خیال رکھنے کو کہا اور گھروں کو چل دیئے۔ ماں اپنے جگر گوشے کو کھانے پینے کیلئے اصرار کر رہی ہے لیکن بیٹے کو اپنی جان سے زیادہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر! "پہلے مجھے انکی کوئی خبر دو" ماں نے قسم کھائی بیٹا مجھے کوئی خبر نہیں" ماں کو اُم جمیل بنت خطاب کے پاس پتہ کرنے کیلئے بھیجا وہ خود آگئیں بتایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت ہیں" کہاں ہیں؟ جواب ملا دارِ ابن ارقم۔ کہنے لگے" واللہ میں اس وقت تک پانی پیوں گا نہ ہی کچھ چکھوں گا جب تک محبوبؐ خدا کو نہ دیکھ لوں"

لوگوں کی آمد و رفت کچھ کم ہوئی تو ماں (ام خیر) اور ام جمیل سہارا دیتی ہوئی اس عاشقِ رسولؐ کو بارگاہِ رسالت میں لے گئیں۔ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی کا بوسہ لیا سارے مسلمان ان پر جھک گئے۔ رسول اللہؐ پر رقت طاری ہوگئی۔ ابو بکرؓ نے عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! اے میرے آقاؐ! میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ میری فکر نہ کریں صرف چہرے پر اس فاسق کی ایذا کا اثر ہے۔ آقاؐ کی توجہ اپنی ماں کی طرف مبذول کراتے ہوئے گویا ہوئے یہ میری ماں! مجھ پر بے حد مہربان ہے آپ اپنی برکات سے انھیں بھی مستفیض فرمائیں ان کے لئے دعا فرمائیں انہیں دینِ حق کی طرف، نارِ جہنم سے جنت کی طرف اور شرک سے توحید کی طرف بلائیں۔ آپؐ کی برکت سے شاید میری ماں جہنم سے بچ جائے" رحمۃ للعالمین نے اسی رقت میں دعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے۔ اپنے غلامؓ کی درخواست اپنے ربّ کے حضور پیش کی۔ علیم و خبیر رب کفر کے ظلم اور فرمانبرداروں کے صبر سے واقف تھا۔ اپنے محبوبؐ کی پریشانی۔ افضل البشر کی تکلیف سے رحمت حق جوش میں تھی۔ نہ صرف ام خیرؓ بلکہ اور بھی کتنوں کو کفر کی طغیانی سے نکال ساحلِ اسلام سے ہمکنار کر دیا شرک سے اٹھا کر صحابیت سے مشرف کر دیا۔ حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اسی روز اسلام لائے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی التجا تھی اے میرے مولا! عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کسی کو قبول فرما کر اسلام کو قوت دے"۔

بدھ کی شام کو یہ التجائیں ہو رہی تھیں اور جمعرات کی صبح کو عمر اسلام کی جڑیں اکھیڑنے نکلے لیکن دوپہر کو اسلام کے لئے مضبوط ڈھال بن کر نمودار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان

کے اسلام قبول کرنے سے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ جوشِ مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا اللہ اکبر۔ دارارقم میں تمام انتالیس مسلمانوں نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ لگایا کہ سب وادی مکہ گونج اُٹھی! صدیوں بعد توحید کی یہ گونجنے والی صدا کفر وشرک پر برق بنکر گری۔ مشرکین حیران تھے کہ ہو کیا گیا ہے!

عمرؓ نے عرض کی "حضورؐ! کفر واشگاف اور حق یوں پوشیدہ آخر کیوں"؟ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمرؓ دیکھتے نہیں ہو! ہمیں کس مصیبت کا سامنا ہے"؟ عرض کی "واللہ میں جن محفلوں میں کفر کی باتیں کیا کرتا تھا۔ ان تمام میں اسلام کا اعلان کر کے ہی دم لونگا۔ جس جوش سے اسلام کو ختم کرنے نکلے تھے اب اسی جذبے سے دین کا اعلان کرنے نکلے۔ اللہ اکبر کی صدا سے ہی کفر میں ہلچل تو مچ چکی تھی، حدودِ حرم میں ابوجہل نے دیکھتے ہی پوچھا عمر سنا ہے تم بے دین ہو گئے ہو" فرمایا "نہیں میں تو مسلمان ہو چکا ہوں، بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔

ان کفار کی کفر سے وابستگی کسقدر پختہ تھی کہ جو ان کے خداؤں سے روٹھا یہ اس سے بیزار ہو گئے۔ اب بھی کفر سے تو لوگ اسی مضبوطی سے پیوستہ ہیں لیکن آج حق سے اپنی وابستگی کا اظہار کرنے والے اپنے وسیع القلب ہیں کہ سود۔ رشوت۔ بدعت وشرک کوئی چیز بھی انھیں دین سے بیگانہ نہیں کر سکتی۔

ع۔ دین جائے نہ ایمان میں فرق آئے

صبح تک جو عمرؓ ان کے دوست ہم پیالہ وہم نوالہ تھے اب سب تعلقات یکسر ختم۔ کلمہ شہادت سنکر ان کا کفر طغیانی پر آگیا۔ عتبہ میرِ محفل نے حملہ کیا۔ سبھی ٹوٹ پڑے! حضرت عمرؓ نے اسے (عتبہ) تو اٹھا کر زمین پہ دے پٹخا گھٹنے اس کی چھاتی پر ٹیک دیئے۔ انگلی اسکی آنکھ میں جب زور سے ٹھونسی! زور سے بڑبڑایا۔ آواز کچھ اس طرح نکلی کہ سب ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اُسے چھوڑ دیا۔ جب بھی کوئی قریب آتا کسی معزز سورما کو پکڑ کر اس کی خوب گت بنا دیتے۔ ہر محفل میں گئے اپنے ایمان کا اعلان کیا اور واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی! اور پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ تمام ساتھیوں کے حرم میں تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ آگے آگے اور باقی اسی طرح دو قطاروں میں پیچھے۔ سب نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نماز ظہر بڑے اطمینان سے پہلی دفعہ مسجد الحرام میں ادا کی

جو کفر کی چھاتی پر مونگ دلنے کے مترادف تھی۔ (حیاۃ الصحابہ ۱۱)

کسی بدبخت نے حبیبِ خدا کے گلے میں چادر ڈال کر بل دینے شروع کئے! دم گھٹنے لگا۔ ابوبکرؓ کو پتہ چلا دوڑے آئے کفار کے ہجوم میں گھس کر آپ کو چھڑایا اور کہا تم اس شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ اس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے امرائے قریش نے جوش غضب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر مکہ کے اس رئیس تاجر کو پکڑ کر اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو جانے پر ہی چھوڑا

ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب انسان تھے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنا رکھی تھی وہاں بیٹھ کر باآواز بلند تلاوتِ کلام مجید فرمایا کرتے، مشرکین کی عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے تعجب سے انہیں روتے دیکھتے اور حیرت سے اللہ کی کتاب سنتے۔ مشرکین انہیں تلاوت سے روکنے کیلئے بہت تنگ کرتے حتیٰ کہ آپ بھی ہجرت حبشہ پر مجبور ہو گئے۔ برک غماد پہنچے تو قبیلہ قارہ کے سردار ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی، پوچھا ابوبکرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے، ابن دغنہ نے کہا تم جیسے آدمی کو تو نہیں نکالا جا سکتا کیونکہ تم صلہ رحمی کرنے والے مفلسوں کی امداد اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہو، وہ انھیں ساتھ واپس لے آیا، اور شام کے وقت سرداران قریش کے سامنے ابوبکرؓ کے اوصاف بیان کئے۔ اور کہا "کیا تم لوگ ایسے آدمی کو گھر سے بے گھر کرتے اور وطن سے نکالتے ہو۔ میں نے ان کو پناہ دی ہے"۔ قریش نے کہا" اسے کہہ دو گھر میں عبادت با جو چاہے کرے۔ لیکن بلند آواز سے قرآن نہ پڑھے" کچھ عرصہ تو ابوبکرؓ نے اپنے آپ پر کنٹرول کیا لیکن محبت وعشق کی آگ بھلا کب تک دبتی مشرکین نے ابن دغنہ کو بلوایا۔ اور شکایت کی کہ ہم تو تمہاری پناہ کی وجہ سے مجبور ہیں یہ تو پھر حد سے تجاوز کر گیا ہے ابن دغنہ نے کہا" ابوبکر تمہاری خاطر میں نے قوم سے عہد لیا ہے تو تم بھی ان باتوں سے رک جاؤ ورنہ پھر میرا ذمہ ختم ہے"، ابوبکرؓ فرمانے لگے تمہاری ذمہ داری اور پناہ کی بجائے میں اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں" ابن دغنہ نے کہا قریش تم جانو

اور وہ جانے میری پناہ کو تو ابو قحافہ کے بیٹے نے رد کر دیا ہے (البدایہ)۔ ابوبکرؓ بیت اللہ کی طرف جا رہے تھے کہ ایک جاہل قریشی نے سر پر مٹی ڈال دی، پاس سے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل گزر رہے تھے آپ نے ان سے کہا دیکھئے کیا ظلم ہے؛ اس پر یہ جاہل بولا تم نے خود ابن دغنہ کی پناہ توڑی ہے!! فرمایا اے رب تو کتنا بردبار ہے (البدایہ) حیاۃ الصحابہ)

پھر ایک وقت وہ بھی تھا جبکہ آپؓ کے سفر و حضر کے ساتھی ہجرت کے دوران جان جوکھوں میں ڈالے رات کی تاریکی میں آپؐ کے ساتھ ہیں، قریشِ مکہ ہر طرف تلاش اور تعاقب ہیں — دیہی سواونٹ کا انعام سرداران مکہ نے آپؐ کی گرفتاری کے لئے بھی مقرر کر رکھا ہے جو آنحضور علیہ الصلوۃ والتسلیم کو پکڑ لانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے — آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی آگے ہو جاتے ہیں کبھی پیچھے چلتے ہیں۔ کبھی دائیں کبھی بائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا "جب خیال آتا ہے کہ دشمن آگے سے نہ آ جائے تو آگے ہو جاتا ہوں جب پیچھے کا ڈر ہو تو پیچھے اسی طرح دائیں بائیں۔ مرے مرجانے سے صرف ایک جان کا خسارہ ہے لیکن آقا! آپؐ کی وجہ سے سارے عالم کو نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا!!" رضی اللہ عنہ

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

(اقبالؒ)

"اعلان"

سنہ ۱۹۸۶ء کا ایک خوب صورت پوسٹ کارڈ سائز کیلنڈر اور دو عدد خوبصورت تبلیغی سٹکر ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیجکر مفت طلب فرمائیں

"تنظیم الاحباب" پوسٹ بکس نمبر 73 چکوال